اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کتابچہ نمبر 13

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

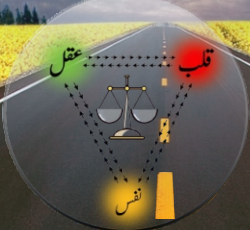

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے

کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 13

(شوال۔1444ھ) بمطابق (الرضوان ۔ 1401 شمسی ہجری)

بمطابق (اپریل۔ مئی۔ 2023ء)

زیرِ سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکا خیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر 1 / CB-1991 ۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

گلی نمبر4۔ اشرف لین نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد ۔ ویسٹرج 3 ۔ راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
2	دیباچہ	1
4	حمد باری تعالیٰ	2
5	نعت رسول اکرم ﷺ	3
6	عارفانہ کلام	4
7	مطالعہ سیرت بصورتِ سوال	5
9	خواتین کیلئے بیان	6
34	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	7
69	مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ	8
100	توضیح المعارف ﴿قسط دوم﴾	9
105	خانقاہ کے شب و روز	10

دیباچہ

جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ ہر ماہ خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ سے کتابچہ شاہراۓ معرفت شائع کیا جاتا ہے، جس میں اکابرین کی تعلیمات کا نچوڑ عام فہم انداز میں عوام تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں ایک کوشش یہ بھی کی جاتی ہے کہ اکابرین کی تعلیمات کے علاوہ اس کا کچھ حصہ ہر اسلامی مہینے کی مناسبت سے اس کے متعلق مضامین پر مشتمل ہو لہٰذا اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے شاہراۓ معرفت کا تیرھواں شمارہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے، جس میں عید الفطر اور شوال کی مناسبت سے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ اللہ پاک محض اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔

سابقہ شماروں کی ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے اس شمارے کی ابتدا بھی حمد اور نعت شریف سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک کلام شامل کیا گیا ہے۔

اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں، ان میں پہلا مضمون "مطالعۂ سیرت" کے عنوان سے ہے جس میں شوال کے روزوں کے بارے میں رہنمائی کی گئی ہے۔ دوسرا مضمون حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کا ایک خواتین کے لیے کیا گیا بیان ہے جس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ رمضان شریف میں حاصل شدہ روحانیت کو عید کے دنوں میں کیسے بچایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی ایک نئی تصنیف "توضیح المعارف" میں سے روح کے بارے میں اکابرین کی تحقیقات پیش کرنے کے بعد روح کے اجزاء کا تعارف کرایا گیا ہے۔

اس شمارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکاتیب سے تعلیمات بیان کی گئی ہیں جن کا لبِ لباب درج ذیل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کا ایک بڑا حصہ اتباعِ سنت پر زور دینے اور ردِّ بدعات پر مختص ہے۔ تقریباً بیس مکاتیب شریفہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے

اسی حوالے سے مختلف حضرات کو لکھے ہیں جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سنت کے فروغ اور ردّ بدعت کے بارے میں کتنے فکر مند تھے!

درس کے آخر میں ایک مکتوب شامل کیا گیا ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اتباعِ شیخ کے لئے رابطہ یعنی "تصور شیخ" کی اہمیت کے بارے میں ایک سالک کی غلط فہمی کو دور کیا ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں سے درس نمبر 10 شامل کیا گیا ہے جس میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوز و گداز کے بارے میں گزشتہ سے پیوستہ بات چل رہی ہے۔

حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اللہ تعالی سے عشق کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ جو عشق کرنے کے قابل ہے وہ اعلیٰ مقام کے قابل ہوتا ہے اور جو کوئی عشق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، وہ مقامِ عزت میں پذیرائی حاصل نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اہم نکتے کی طرف اچاہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی خدا تعالی سے عشق کا حوصلہ نہیں رکھتا تو سادگی ہی اختیار کرے کیوں کہ جنت میں اکثریت سادہ لوگوں کی ہی ہوگی۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

حمد باری تعالیٰ

یا الٰہی فکرِ دانا دلِ بینا دے دے
جس سے ہم ٹھیک ہوں سارے وہی نسخہ دے دے

مجھ کو ظلمت کی تمناؤں سے دوچار نہ کر
جس میں بس تو ہی تو ہو وہ مجھے دنیا دے دے

کسی گمراہ کے پیچھے نہ لگوں، بچ جاؤں
جو مجھے تجھ سے ملا دے وہ مسیحا دے دے

ہو میرے دل سے مستفاد عقل میری اب
دل جس سے صاف ہو محبت کا وہ شعلہ دے دے

بیٹھا مسجد نبوی میں ہے شبیرؔ اس وقت
طفیل اس کے اُس کو قرب تو اپنا دے دے

کلام: حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم
کتاب: ہوش دیوانگی

نعت شریف

عشق ہوجائے عنایت تو عبادت پھر ہو

دل میں ہو چسک محبت تو عبادت پھر ہو
اس پہ کھل جائے حقیقت، تو عبادت پھر ہو

عشق کی آگ سے معدوم کرو "میں"، لے لو
آنکھ میں اشک ندامت تو عبادت پھر ہو

"میں" کہاں ختم ہو جلوہ جو نہ دیکھا اس کا
"میں" نہ ہو پاس سلامت تو عبادت پھر ہو

عشق کی آگ میں عاشق کہاں پھر سوتا ہے
عشق ہوجائے عنایت تو عبادت پھر ہو

قبلۂ دل کو کرو درست مدینے میں اول
پھر ہو کعبے کی معیت تو عبادت پھر ہو

اپنا دل درست کرو صاحب دل کے دل سے
جب ملے شانِ عبدیت تو عبادت پھر ہو

فکر از ذکر مصفا کرو اور قلب سلیم
جہد سے نفس کی طہارت تو عبادت پھر ہو

اپنی مستی میں جو اشعار گنگناتا ہے شبیؔر
ایسی حاصل ہو کیفیت تو عبادت پھر ہو

کلام: حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم
کتاب: شاہراہِ محبت

عارفانہ کلام

اک کیف اک حقیقت

دل میں شوق ابھرا جو دید کا تو طواف کعبہ کا کر لیا
یہ مجازی صورت ناز ہے اسے اپنی آنکھوں میں بھر لیا

یہ غلاف کعبہ سیاہ جو ہے کہاں نور اس کی چھپا سکے
اس نے حسن اس کا بڑھا دیا ہم نے دل پہ اس کا اثر لیا

یہ چکر لگاتے جو ہم ہیں یاں دل سے پہلے ہی تو لگاتے تھے
یہاں جسم و جان جو مل گئے دل پہ اس کا کیف نَظر لیا

یہاں کیا ہے کون بتا سکے یہ تو کل جہاں میں جہاں ہے اک
دل کو چھوڑ کے لے یہاں عقل جو اس نے رستہ اک پُر خطر لیا

یہ ہے حسن ازل کا ہی پرتو اک یہاں رحمتوں کا نزول ہے
اس سے عشق بہت ہی قبول ہے خوب اس سے حصہ اگر لیا

جو ادب سے اس کے ناآشنا ہو جو یہاں عمل کرے بے محل
اس نے چھوڑا عشق شبیرؔ ہے اس نے خیر میں حصہ شر لیا

کلام: حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم
کتاب: کرامات قلب

مطالعہ سیرت بصورتِ سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوال:

شوال کے روزوں کے بارے میں جو بتایا گیا ہے کہ ایسا ہے جیسے ساری عمر روزے رکھے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ اور کیا یہ روزے مسلسل رکھنے چاہئیں یا وقفے وقفے سے بھی رکھ سکتے ہیں؟ کچھ لوگ اکٹھے چھے روزے رکھتے ہیں، اس کے بعد چھوٹی عید منا لیتے ہیں گویا کہ یہ چھ روزے پورے ہو گئے تو پھر بھی ایک خوشی مناتے ہیں تو اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب:

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لیجئے کہ شوال کے روزے نفلی ہیں اور رمضان کے روزے فرض ہیں لہذا شوال کے روزے اور رمضان کے روزے برابر نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کی ہر چیز کا اجر کم از کم دس گنا زیادہ ملتا ہے تو ایک مہینے کے دس مہینے ہو گئے اور چھ روزوں کے ساٹھ روزے یعنی دو مہینے ہو گئے۔ اور دس اور دو؛ بارہ مہینے یعنی پورا سال ہو گیا۔ تو اگر کوئی ہر سال اس طرح کرتا رہے تو ایسا ہو گا کہ جیسے کہ وہ ساری عمر روزے رکھتا ہے۔ بہر حال! اس کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ رمضان شریف میں جو روحانیت حاصل ہوتی ہے تو اس روحانیت کے بعد جو عید کی آزادی دی گئی ہے اگر لوگ اس کو غلط (misuse) کر لیں تو اس کی وجہ سے روحانیت ضائع ہو سکتی ہے۔ لہذا عید کے پہلے دن تو روزہ نہیں رکھ سکتے لیکن اگر اس کے بعد آدمی پھر روزے رکھنا شروع کر دے تو وہ چیز برقرار رہتی ہے۔ تو اگر عید کے تین دن زیادہ احتیاط کر لے تو ان شاء اللہ اس کا اثر پورا سال رہے گا۔

میں ایک دفعہ سکردو سے آ رہا تھا تو وہاں گلگت کے پاس ایک پہاڑ ہے جس کے اوپر برف جمی ہوئی تھی حالانکہ اکتوبر کا مہینہ تھا، میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھو! گرمیاں گزر گئیں لیکن یہ برف نہیں پگلی۔ اس کا مطلب ہے کہ برف اتنی زیادہ تھی

کہ یہ گرمی اس کو پگلانے کے لئے کافی نہیں تھی۔ اب اگلے سال جب سردی شروع ہو گی تو یہ برف بھی موجود رہے گی اور مزید برف بھی آ جائے گی۔ پھر گرمیاں گزر جائیں گی لیکن وہ ختم نہیں ہو گی۔ اس طرح اس میں ہر سال اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور اگر یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہے تو پھر اس میں دباؤ کی وجہ سے گلیشیئر بن جاتا ہے اور اس طرح گویا کہ صاف پانی کا ایک ذخیرہ بن جائے گا جو بعد میں کام آئے گا۔ میں نے کہا اس طرح اللہ پاک نے انتظام کیا ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طریقہ سے اگر ہم رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے جو روحانیت اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے، اگر ہم سال اس طرح گزاریں کہ اس کی روحانیت ابھی ضائع نہ ہوئی ہو کہ وہ رمضان شریف پھر آئے تو دوسرے رمضان شریف میں بھی جب روحانیت حاصل ہو گی تو وہ پہلی روحانیت کے ساتھ جمع ہو جائے گی۔ اس طرح ہماری روحانیت بڑھ جائے گی اور ہر سال ہماری روحانیت اور تقویٰ بڑھتا جائے گا۔ اور اگر ہم جو روحانیت رمضان شریف میں حاصل کر چکے ہیں اسے ہم شوال میں ضائع کر دیں تو یہ بہت محرومی کی بات ہے۔ اس وجہ سے یہ چھ روزے بہت زیادہ مفید ہیں۔ اس لحاظ سے بہتر یہ ہے کہ انسان شروع ہی میں رکھ لے، لیکن یہ حکم نہیں ہے۔ چونکہ یہ نفل روزے ہیں اس لئے آپ ان کو پورے شوال میں کبھی بھی رکھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ایک چوتھے دن رکھ لیں، ایک دسویں دن رکھ لیں، ایک پندرہویں دن رکھ لیں، ایک اکیسویں دن رکھ لیں اور ایک اٹھائیسویں دن رکھ لیں۔ اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ یہ سب شوال کے ہی روزے ہیں۔ البتہ اگر آپ اکٹھے رکھ لیں تو اس کا یہ فائدہ ہے کہ وہ مسئلہ اس سے حل ہو جائے گا جو میں عرض کر رہا ہوں۔ باقی اس کی چھوٹی عید منانے میں اگر ثواب سمجھے گا تو پھر بدعت ہو گا کیوں کہ جو چیز شریعت نے نہیں بتائی تو اس کو اپنی طرف سے ایجاد کرنے کو ہی بدعت کہتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی ثواب سمجھتا ہے۔ تو ایسا کام تو نہیں کرنا چاہیے۔ ہر چیز کو اپنی اپنی حیثیت پہ رکھیں تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خواتین کیلئے بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ (البقرہ: 185)

ترجمہ:

"اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا تاکہ (تم روزوں کی) گنتی پوری کر لو اور اللہ نے تمہیں جو راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو اور تاکہ تم شکر گذار بنو"۔

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَامَ لَیْلَتَیِ الْعِیْدَیْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰہِ لَمْ یَمُتْ قَلْبُہٗ یَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: 1782)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص عیدین کی راتوں میں ثواب کی نیت سے اللہ کی عبادت کرے گا، تو اس کا دل نہیں مرے گا جس دن دل مردہ ہو جائیں گے"۔

وَ مِنْھَا صَدَقَۃُ الْفِطْرِ وَ ھِیَ صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ اَوْ کُمحٍ عَنْ کُلِّ صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ، حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ، ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی۔ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: "فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ زَکَاۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَ الْحُرِّ وَ الذَّکَرِ وَ الْاُنْثٰی وَ الصَّغِیْرِ وَ الْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ اَمَرَ بِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلٰوۃِ"۔ (بخاری، حدیث نمبر:1503)

ترجمہ: "عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر کی زکوٰۃ (صدقہ فطر) ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو فرض قرار دی تھی۔

غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے تمام مسلمانوں پر۔ آپ ﷺ کا حکم یہ تھا کہ نماز (عید) کے لئے جانے سے پہلے یہ صدقہ ادا کر دیا جائے"۔

وَمِنْهَا الصَّلٰوةُ وَالْخُطْبَةُ وَقَدْ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى وَاَوَّلُ شَيْءٍ يُبْدَأُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ مِنَ الصَّلٰوةِ قَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ۝

صَدَقَ اللهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ۝

معزز سامعینِ کرام! ہمیں اللہ پاک کا بہت زیادہ شکر ادا کرنا چاہئے کہ جس نے ہمیں اتنا عظیم مہینہ عطا فرمایا ہے کہ جس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہے۔ یہ مہینہ اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور اس میں روزے رکھنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ چوں کہ شکر سے نعمت بڑھتی ہے اس لئے اگر ہم شکر کریں گے تو ان شاء اللہ رمضان شریف کی برکات ہم پر پورا سال چھائی رہیں گی۔

جن لوگوں کو اللہ پاک نے اعتکاف کی توفیق عطا فرمائی تھی، ان کے لئے بھی بہت زیادہ خوشی کی بات ہے کہ اللہ پاک نے ان کو اتنی اہم عبادت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جو اصلاحِ نفس کے لئے انتہائی مفید ہے اور سنت بھی ہے۔ اس عبادت کو اصلاحِ نفس کے فرض کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

رمضان شریف کا اجر الگ چیز ہے اور اس کا اثر الگ چیز ہے، رمضان شریف کا اثر تقویٰ بتایا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ: 183)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو"۔

رمضان شریف کے روزوں کا بلکہ تمام روزوں کا اثر تقویٰ کا حصول ہے یعنی روزہ سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے، ہر چیز کی اپنی ایک فطرت ہوتی ہے، روزے کی فطرت تقویٰ کا حصول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کی اصلاح مجاہدہ میں ہے اور مجاہدہ نفس کی

مخالفت کو کہتے ہیں یعنی نفس جن چیزوں کی خواہش کرتا ہے، نفس کو ان سے روکنا؛ یہ مجاہدہ ہے۔ روزے میں نفس کو تین بڑی خواہشوں (یعنی کھانے، پینے اور مباشرت) سے روکا جاتا ہے۔ نفس کے اندر اللہ پاک نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ جب اس کو اس کی کسی خواہش سے روکا جاتا ہے تو اس کے لئے خواہش پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے گویا کہ اس کو ایک تجربہ حاصل ہو جاتا ہے جس کے ساتھ اپنے آپ کو وہ ڈھال لیتا ہے، پھر آئندہ اس کو اس خواہش سے رکنے کے لئے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، کم محنت سے بھی وہ اس خواہش سے رکنے پر قابو حاصل لیتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ نفس کو اس کی خواہش سے فوری طور پر روکنے سے گھبراتا ہے کیوں کہ نفس اس وقت پوری طرح جوبن پر ہوتا ہے اس لئے اسے قابو کرنا آدمی کو بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر انسان ہمت کر کے نفس کی بات نہ مانے اور اس پر عمل نہ کرے تو آئندہ کے لئے اسے تجربہ بھی ہو جاتا ہے اور نفس بھی ڈر جاتا ہے، نتیجتاً انسان کے لئے دوبارہ نفس کو قابو کرنا اتنا مشکل نہیں رہتا جتنا کہ پہلی دفعہ میں مشکل تھا اور اگر تیسری مرتبہ بھی نفس کو قابو کر لیا تو نفس مزید دب جائے گا اور چوتھی مرتبہ میں اور زیادہ ڈر جائے گا، چنانچہ نفس کو جتنا زیادہ دبایا جائے گا اتنا ہی انسان کے لئے نفس پر قابو پانا آسان ہوتا جائے گا اور یہی اصلاح ہے۔

رمضان شریف کے تیس روزے تو اس مقصد کے لئے استعمال ہو ہی جاتے ہیں لیکن اس کے علاوہ انسان کو اس کے ذریعے سے جو تجربہ حاصل ہو چکا ہوتا ہے، اگر اس کو عید کے دنوں میں ضائع نہ کیا جائے تو انسان مستقل طور پر تقویٰ سے متصف ہو سکتا ہے، مگر لوگ اسے عید کے دنوں میں ضائع کر لیتے ہیں کیوں کہ عید کے دنوں سے متعلق لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہم آزاد ہو جاتے ہیں اور آزادی کا تصور انسان میں بے احتیاطی پیدا کرتا ہے، بے احتیاطی کی وجہ سے انسان ضرورت سے زیادہ سرگرمیاں شروع کر دیتا ہے، نتیجۃً وہ اپنے سب کئے کرائے پر پانی پھر دیتا ہے، چنانچہ عید کے دنوں میں احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کو رمضان شریف کے (مطلوبہ) فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

اس بارے میں ایک بات عرض کروں کہ خوشی کی دو قسمیں ہیں ایک دل کی خوشی ہوتی ہے اور دوسری نفس کی خوشی ہوتی ہے۔ آج اللہ پاک نے آپ لوگوں کی برکت سے ایک بہت بڑا علم عطا فرمایا، آپ کے ساتھ شیئر کرتا ہوں، یہ بات میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، تاہم اب دوبارہ عرض کرتا ہوں۔

دل اور نفس کی خوشی میں سے دل کی خوشی پائیدار ہوتی ہے جب کہ نفس کی خوشی وقتی ہوتی ہے، کیوں کہ دل چیزوں کو سٹور کرتا ہے اور نفس چیزوں کو سٹور نہیں کر سکتا، نفس کی مثال مشین کی طرح ہے، جس طرح مشین چیزوں کو باہر نکال دیتی ہے، اسی طرح نفس بھی کسی چیز کو اپنے اندر نہیں رہنے دیتا، جب کہ دل کی مثال سٹور جیسی ہے کہ سٹور میں اگر کوئی چیز رکھ دی جائے تو پھر وہ سٹور میں پڑی رہتی ہے، پس نفس کی خوشی عارضی اور وقتی ہوتی ہے اور دل کی خوشی پائیدار ہوتی ہے کیوں کہ دل کی خوشی نے دل پر اثر کیا ہوتا ہے تو جب تک وہ اثر موجود رہتا ہے، اس وقت تک خوشی باقی رہتی ہے۔

اب یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دل کی خوشی ذکر کے ذریعے سے، اللہ کو یاد کرنے کے ذریعے سے اور اچھے اعمال کرنے کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اور نفس کی خوشی اس کی خواہش پوری کرنے سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ جتنے وقت میں آپ نے نفس کی خواہش پوری کی، اتنی دیر تک نفس خوش رہے گا، جیسے ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ ہماری قوتِ ذائقہ ہونٹوں سے لے کر حلق تک ہے، تو کتنے سیکنڈ تک مزا محسوس ہو گا؟ اگر زیادہ چبانے کا آپ کو فائدہ ہو جائے تو پانچ سات سیکنڈ لگ جائیں گے، پانچ سات سیکنڈ میں کھانا نیچے اتر جاتا ہے پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

اس وجہ سے نفس کی خوشی ایک عارضی اور وقتی چیز ہے، کچھ وقت تک آپ کو اس کا مزہ حاصل ہو گا، پھر بعد میں آپ اس کو بھگتیں گے، اگر وہ خراب ہے تو اسے بھگتیں گے چاہے وہ physically (جسمانی) طور پر خراب ہو یا spiritually (روحانی) طور پر خراب ہو، دونوں صورتوں میں آپ بھگتیں گے۔ مثلاً شوگر کا مریض میٹھا کھائے گا تو اسے بھگتنا پڑے گا، گلے کا مریض آئیسکریم کھائے گا تو وہ بھی بھگتے گا، اسی طرح

کی اور چیزیں بھی ہیں، مثلاً پیپسی کولا، کوکا کولا۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ نے ان کا ذائقہ لے لیا پھر بعد میں اسے بھگتنا ہو گا۔ یہ تو جسمانی چیزیں ہیں اور روحانی چیزوں کی بھی یہی حالت ہے، اگر کسی نے کوئی ایسی خوشی حاصل کی جس کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو وہ اسے آخرت میں بھگتے گا، دل پر گناہ کی ظلمت آئے گی اور دل کا اطمینان بھی رخصت ہو گا۔

اس سے پتا چلا کہ فوری مزے کو عقل سے کنٹرول کر لو اور پھر اس کے physical (جسمانی) نقصان سے بھی بچ جاؤ اور اس کے spiritual (روحانی) نقصان سے بھی بچ جاؤ۔

نیز اس سے یہ بھی پتا چلا کہ ہم لوگوں کے لئے عید کے دن میں ان خوشیوں پر کنٹرول کرنا جن کا تعلق نفس کی ان خواہشات کے ساتھ ہے جو گناہ پر آمادہ کرتی ہیں، ضروری ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ کہیں فوری طور پر ہم کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور دوسرا اس وجہ سے بھی کہ رمضان شریف میں ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے، وہ کہیں ضائع نہ ہو جائے کیوں کہ عید کے دنوں میں گناہ کی چیزیں (peek) عروج پر ہوتی ہیں، بعد میں تو نارمل انداز میں رہتی ہیں لیکن اس وقت عروج پر ہوتی ہیں، پورا معاشرہ ان میں مبتلا ہوتا ہے اور غلط ماحول میں انسان اپنی احتیاطیں بھول جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں سٹوڈنٹ تھا تو ہم ٹوورز وغیرہ پر جاتے تھے، کبھی ٹیکنیکل ٹوور پر اور کبھی ویسے ہی سیر سپاٹے کے لئے، لوگ کالج اور یونیورسٹی سے ٹوور پر جاتے تھے تو بالکل typical (عام سی) بات ہوتی تھی کہ جیسے سٹوڈنٹس کے ساتھ شیاطین کی مکمل تشکیل ہو جاتی اور سٹوڈنٹس اپنے آپ کو نارمل لوگ نہیں سمجھتے، بعد میں بہت افسوس کرتے تھے لیکن اس وقت وہ اتنے منہمک ہوتے تھے کہ کسی کی نصیحت کام نہیں آتی تھی، نصیحتیں ہوا میں اڑائی جاتی تھیں اور جس شخص سے نصیحت کی توقع ہوتی، اس سے ادھر ادھر گزرتے تھے۔ یہ زمانہ بھی ایسا ہوتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ٹوورز وغیرہ، اس قسم کی چیزوں میں ماحول ہی ایسا بن جاتا ہے یعنی جو لوگ کسی گناہ کا تصور کرنے سے بھی گھبراتے ہیں، ماحول میں آنے کی وجہ سے وہ بے فکری کے انداز میں اس طرف چل پڑتے ہیں، یہ observation

(مشاہدہ) ہے۔ اسی طرح عید میں بھی ایک ماحول بن جاتا ہے اور وہ ماحول عموماً بے احتیاطی کا ماحول ہوتا ہے مردوں کے لحاظ سے بھی اور عورتوں کے لحاظ سے بھی، عید میں مہمان داری بھی ہوتی ہے، لوگ آتے ہیں، ان میں محرم بھی ہوتے ہیں اور غیر محرم بھی ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ محرم اور غیر محرم ایک ساتھ بھی آ جاتے ہیں، مثال کے طور پر اگر دو مرد محرم ہیں تو تیسرا کوئی شخص ان کے ساتھ غیر محرم بھی ہوتا ہے اور وہ رشتہ دار ہوتے ہیں۔ مثلاً شوہر محرم ہے تو اس کا بھائی غیر محرم ہے، یہ دونوں ایک ساتھ بھی آ سکتے ہیں، شوہر بھی آ سکتا ہے، اس کے ساتھ اس کا بھائی بھی آ سکتا ہے، ایسی صورت میں محرم کے ساتھ محرم والا برتاؤ کرنا ہوتا ہے اور غیر محرم کے ساتھ غیر محرم والا۔ لیکن کیا اس طرح ہوتا ہے؟ سب کے ساتھ ہاتھ بھی ملاتے ہیں، بات چیت بھی کرتے ہیں۔ یہ تو میں نے صرف ایک مثال دی ہے جو بہت واضح مثال ہے، جس کو سب لوگ جانتے اور مانتے ہیں، اس قسم کے اور بھی بہت سارے معاملات پیش آتے ہیں، چنانچہ ایسی چیزوں سے پھر احتیاطیں ٹوٹ جاتی ہیں اور پھر گھروں میں شیطان کے ڈبے بھی موجود ہوتے ہیں، مثلاً ٹیلی ویژن، ڈیک وغیرہ۔ اگر عید کے دن ایسی چیزوں کو نہ چلائیں تو عید پوری نہیں ہوتی بلکہ عید کمزور پڑ جائے گی۔ نہیں، بھائی! اپنے دل کو جگائیں، پھر پتا چل جائے گا کہ ٹی وی سے کیا خوشی ملتی ہے اور دل سے کیا خوشی ملتی ہے۔ یہ بات میں اس لئے عرض کرتا ہوں کہ لوگ ان چیزوں کو بہت اونچی آواز میں بجاتے ہیں گاڑیوں میں بھی اور سیر سپاٹے کے موقع پر بھی۔ ہمارے "زیارت کاکا صاحب" کا جو عرس ہوتا ہے، سب کو معلوم ہے کہ وہاں کیا ہوتا ہے! شیطان ہر اچھی چیز کو خراب طور پر استعمال کر سکتا ہے، جب عرس کی ابتدا ہوئی تھی تو اس وقت یہ بزرگوں کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ تھا، ان دنوں ذرائع نقل و حمل بہت تھوڑے تھے لہذا عرس کے موقع پر لوگ آ کر اپنے بڑوں سے ملاقات کرتے تھے اور ان سے نصیحتیں حاصل کرتے تھے تو ان کو ایک تازگی حاصل ہو جاتی تھی، اس مقصد کے لئے عرس شروع ہوا تھا لیکن اب وہی عرس میلے بن گئے ہیں، کم از کم "زیارت کاکا صاحب" کے عرس کو تو میلہ ہی کہا جاتا ہے یعنی اس کے عرس ہونے کا شاید ہی لوگوں کو پتا ہو لیکن بہرحال چراغاں اور میلہ، یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، اس عرس میں

بے حیائی اور فسق و فجور نے اس وقت اس حد تک قبضہ کیا ہوتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ کیا یہ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہے! کیا یہ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ حاضر ہونے والے زائرین ہیں! مثلاً قبروں کے اوپر ناچ رہے ہوتے ہیں، راستے میں قبرستان ہے، وہاں سے جو سڑک جاتی ہے، اس پر اپنے ساتھ ڈیک رکھے ہوتے ہیں، اُدھر وہ ناچ رہے ہوتے ہیں۔ خدا کے بندو! یہ کیا کر رہے ہو؟ شریف آدمی تو اس کو دیکھ بھی نہیں سکتا لیکن یہ سب کچھ ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے عرس کے دنوں میں آدمی وہاں نہ ہی جائے تو اچھا ہے، یہی ہم سے ہو سکتا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جو چیزیں چل پڑتی ہیں، لوگوں کی نفسانی خواہشات کی وجہ سے جگہ پکڑ لیتی ہیں اور اپنا ایک وجود قائم کر لیتی ہیں تو پھر وہ آوازیں جو ان کے خلاف اٹھتی ہیں، وہ اجنبی ہو جاتی ہیں اور یہ چیزیں مانوس ہو جاتی ہیں، سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، عید بھی ایسی ہی ایک چیز ہے۔ عید میں بھی انسانی اقدار دب جاتی ہیں، ماہِ رمضان شریف کے اثرات مضمحل ہو جاتے ہیں، انسان کے نفسانی تقاضے ابھر آتے ہیں اور ان کا ماحول بننے کی وجہ سے ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے خواہ بعد میں کچھ بھی ہو۔ اس لئے میں یہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ ان تین دنوں میں آپ ایمرجنسی بنیادوں پر اپنے آپ کو بچائیں، کسی ایسی جگہ پر نہ جائیں جہاں اس قسم کے حالات ہوں اور اپنے گھروں کو بھی ان چیزوں سے پاک رکھیں۔ صاف کپڑے پہننے سے کس نے روکا ہے؟ اچھا کھانا کھانے سے کس نے روکا ہے؟ جائز طریقے سے ملنے ملانے سے کس نے روکا ہے؟ مبارکباد دینے سے کس نے روکا ہے؟ یہ چیزیں ممنوع نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ نفسانی خواہشات اور اس قسم کی جو چیزیں ہوتی ہیں، وہ غلط ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچائیں، اس کے لئے ہر ایک اپنے طور پر انتظام کر سکتا ہے، ہر ایک کے حالات اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ مثلاً مجھے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ ہم اپنے گھر والوں کو سیر کرائیں اور آؤٹنگ کے لئے نکالیں تو کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ مثلاً مری ہے، اس کا بازار بھی ہے لیکن بازار کے علاوہ اس میں ارد گرد بہت سارے پہاڑ بھی ہیں جو بالکل خالی ہوتے ہیں تو اگر آپ کسی ایسی جانب نکل جائیں جہاں پر لوگ نہ ہوں تو ٹھیک ہے، وہاں پیدل چلیں، نیچے اتریں، اوپر جائیں، اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جا کر وہاں پر کھائیں۔ عرب حضرات

کا ایک طریقہ کار ہوتا ہے کہ اپنی گاڑی میں کھانے پینے کا سامان لے کر ویرانوں میں نکل جاتے ہیں اور پھر وہاں جا کر دن بھی مناتے ہیں، ریسٹ بھی کرتے ہیں، یہ ان کے لئے طبعی چیز ہے۔ آپ بھی اس طرح کر سکتے ہیں، اپنے گھر والوں کے ساتھ کسی ویرانے کی طرف نکل سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ رش کی جگہوں میں جائیں گے جیسے بازار یا ہاسٹل وغیرہ یا اس طرح کی کسی دوسری جگہ میں جائیں گے تو وہاں پر تو پھر دمادم والی بات ہو گی یعنی ایسے مقامات پر اپنے آپ کو بچانا بہت مشکل ہے لہذا اس قسم کے پروگرامز موقوف رکھنے چاہیں۔

یہ بات میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ یہ چیزیں آج کل سوسائٹی کا حصہ ہیں کہ جس میں اس قسم کے احتمالات ہوتے ہیں تو ہم لوگوں کو بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے کہ رمضان شریف کی روحانیت کو ضائع نہ ہونے دیں کیوں کہ یہ بڑی محنت سے حاصل کی گئی ہے اور پورے سال کے لئے ہے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں سکردو گیا تھا، سکردو سے واپسی کا راستہ یہ ہے کہ سکردو سے انسان پہلے گلگت کے نواح میں اس کے پہاڑوں کے پاس پہنچتا ہے، وہاں سے بائیں مڑتا ہے، وہاں ریشم روڈ ہے، وہاں سے بائیں مڑ کر واپس آتے ہیں تو گلگت کے پاس سے گزرتے ہیں تو گلگت کے پاس وہاں پر ایک پہاڑ ہے، اکتوبر کا مہینہ تھا، ہم وہاں سے گزر رہے تھے اور اس پہاڑ کے اوپر کافی موٹی برف جمی ہوئی تھی تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ پوری گرمی گزر گئی، اب تو سردی آنی شروع ہو گئی، اکتوبر کے بعد نومبر میں تو پھر سردی پڑنا شروع ہو جاتی ہے، کم از کم ان علاقوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے تو میں نے کہا کہ اب یہ برف مزید نہیں پگھلے گی، جو پگھلنی تھی پگھل گئی، اب یہ مزید نہیں پگھلے گی بلکہ اب اس پر دسمبر جنوری وغیرہ میں مزید برف باری ہونی ہے، جس کی وجہ سے یہ برف مزید موٹی ہو جائے گی پھر اس کے بعد گرمیاں اس پر گزریں گی، جتنی گرمی سے پگھل سکی، پگھلے گی لیکن چوں کہ ساری برف اب بھی نہیں پگھلی تو بعد میں بھی ساری برف نہیں پگھلے گی لہذا اُس موسم میں برف کی تہہ اس سے بھی موٹی ہو گی، رفتہ رفتہ یہ برف بڑھتی جائے گی حتیٰ کہ گلیشیر میں تبدیل ہو جائے گی، گلیشیر بہت بڑا بنتا ہے تو وہ پانی حاصل کرنے کا ایک مستقل ذریعہ بن جاتا ہے، میں نے کہا کہ اسی طرح رمضان شریف کا مہینہ ہے کہ رمضان

شریف کے مہینہ میں ہم لوگ نیکیاں کماتے ہیں اور باقی دنوں میں گنواتے ہیں، اگر گنوانے کی سپیڈ کم ہو اور رمضان شریف میں کمانے کی سپیڈ اچھی خاصی ہو تو وہ نیکیاں پورے سال میں ختم نہیں ہوں گی، وہ باقی رہیں گی، پھر رمضان شریف آ جائے گا پھر آپ اس میں مزید نیکیاں کما لیں گے، پھر پورے سال میں آپ کی نیکیاں باقی رہیں گی، اس طرح گویا کہ ہر رمضان شریف میں آپ ترقی کر رہے ہوں گے، آپ کی روحانیت بڑھتی جائے گی ورنہ پھر یہ ہو گا کہ کمائی ہوئی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی اور آپ کی ترقی نہیں ہو سکے گی۔

یہ میں اس لئے عرض کرتا ہوں کہ فطرتی بات ہے کہ انسان ایک حالت پر نہیں رہتا، کبھی حاصل کرتا ہے تو کبھی گنواتا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت! کب ہماری مکمل اصلاح ہو گی؟ خانقاہ آ جاتے ہیں تو ٹھیک ہو جاتے ہیں پھر گھر پر چلے جاتے ہیں تو خراب ہو جاتے ہیں پھر خانقاہ آتے ہیں تو ٹھیک ہو جاتے ہیں پھر گھر پر جاتے ہیں تو پھر خراب ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی! مجھے بتاؤ، آپ صاف کپڑے پہنتے ہیں، پھر وہ میلے ہو جاتے ہیں، پھر دھوبی کو دیتے ہیں، وہ دھوتا ہے تو پھر پاک صاف ہو جاتے ہیں پھر آپ اس کو پہنتے ہیں تو پھر میلے ہو جاتے ہیں پھر دھوبی کو دیتے ہیں، تو اس میں کیا مسئلہ ہے؟ سلسلہ تو اس طرح چلتا رہتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میلا ہونے کا نظام برقرار ہے تو صفائی کا نظام بھی برقرار رہنا چاہئے اور جب میلا ہونے کے نظام کو برقرار رہنے سے کوئی نہیں روک سکتا تو یہ تو نفسِ امارہ ہے، نفسِ امارہ تو انسان کے ساتھ داؤ کرے گا، اس لئے یہ تو ہو گا لیکن کوشش اس بات کی جاتی ہے کہ آپ نفسِ امارہ کے شر سے کم سے کم متاثر ہوں، اور ایسا ہمت ہی کے ذریعے سے ہوتا ہے، انسان ہمت کرتا ہے تو وہ بچتا ہے، انسان بچتا رہے، بچتا رہے، بچتا رہے، تب بھی کچھ نہ کچھ لگتا رہتا ہے تو جو لگتا رہتا ہے اس کو دوبارہ نکالو، اس طریقے سے آپ اپنے لئے کچھ ذخیرہ کر سکتے ہیں ورنہ پھر یہ ہو گا کہ نقصان میں جائیں گے، خسارے میں جائیں گے، مسائل ہوں گے، خرچ زیادہ ہو گا اور کمائی کم ہو گی تو نتیجۃً جب ہم یہاں سے جائیں گے تو معاملہ الٹا ہو گا، اس وجہ سے اپنے

آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہم اس نظام کو اپنے حق میں مفید کریں یعنی گناہوں کی طرف کم سے کم رجحان کریں اور اچھائی کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کریں، کوشش کر کے ہم زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیں، زیادہ سے زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کریں تو اس طریقے سے ان شاء اللہ العزیز ہمارا معاملہ درست ہو جائے گا، یہ میں پریکٹیکل باتیں کر رہا ہوں۔ سوچ کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہے، سوچتا ہے کہ اب تو مجھ سے گناہ ہو گا ہی نہیں، پھر پتا چلتا ہے کہ اوہ! یہ کیا ہو گیا؟ بھائی کیا ہو گیا! وہی ہو گیا جو انسان کے ساتھ ہوتا ہے، پریکٹیکل بات تو یہی ہے کہ انسان سے گناہ ہوتے رہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "كُلُّ خَطَّاءُوْنَ وَخَيْرُ الْخَطَّاءِيْنَ التَّوَّابُوْنَ"۔

(الابانۃ الکبری، حدیث نمبر: 1076)

ترجمہ: "سب خطا کار ہیں اور بہتر خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا توبہ کا نظام درست ہو اور خطاؤں کے نظام پہ گہری نظر ہو کہ خطائیں کم سے کم ہوں، ان کو کم سے کم کیا جائے۔ اس طریقے سے ماشاء اللہ یہ نظام کچھ بہتر ہو سکتا ہے اور ہم لوگ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

عید کے دن اور بالخصوص چاند رات میں بڑی بڑی چیزیں ہل جاتی ہیں، ہم ایک دفعہ لاہور میں چاند دیکھنے گئے تھے، لاہور بھی ایک شہر ہے اور وہاں بھی لوگ جاتے ہیں تو ہم بھی لاہور شہر میں چاند دیکھنے لئے گئے تھے، چاند نظر آیا تو جن لوگوں نے ہمارے لئے کھانے کی دعوت کی تھی، ہم وہاں جا رہے تھے تو اس کا راستہ ایک بازار سے گزرتا تھا، اس بازار میں کھچا کھچ رش لگا ہوا تھا، میں نے کہا کہ بھائی! کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہو گیا؟ کہنے لگے کہ اس کو ٹرو کہتے ہیں، لوگ جوتے خرید رہے ہیں "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ"۔ جوتے خریدنے کے لئے عید کی رات چُنی ہے، بھائی! کیا پہلے جوتے نہیں خرید سکتے؟ لیکن یہ مردہ دلانِ لاہور، یہ لوگ مردہ دل ہوتے ہیں۔ دل تو وہ ہوتا ہے جو بیدار دل ہوتا ہے جس کو گناہ کا پتا ہوتا ہے کہ مجھ سے گناہ ہو گیا اور وہ اس سے توبہ کرتا ہے، وہ بیدار دل ہوتا ہے۔ تو مردہ دلانِ لاہور نے عید کی رات میں اپنے لئے ایک چکر بنایا ہوا ہے کہ جس میں لوگ جوتے خریدتے ہیں اور اس میں پھر بڑے

واقعات بھی ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں نے اس قسم کی جو رسومات بنائی ہوئی ہیں، ان میں شیطانی چکر ہوتے ہیں اور یہ شیطان کی طرف سے بنائے گئے منصوبے ہیں، شیطان ہمیشہ آہستہ آہستہ وار کرتا ہے، ایسے طریقے سے وار کرتا ہے کہ آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ مجھے گھیرا جارہا ہے، اس کے لئے اس طرح کے راستے بنا لئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر قانون بنایا گیا کہ اٹھارہ سال سے پہلے شادی نہیں ہو سکتی۔ اب قانون بن گیا ہے، ٹھیک ہے لیکن ہے تو شیطانی بات، بھائی! کیا آپ کسی کو اٹھارہ سال تک بالغ ہونے سے روک سکتے ہیں؟ یہ جسم کے نظام کی ایک چیز ہے اس کو کون روک سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی نہیں روک سکتا۔ تو بالغ تو ہو جاتے ہیں، پھر اس کے بعد اٹھارہ سال تک آپ شادی نہیں کر سکتے، مطلب یہ ہے کہ گناہ کریں، تو یہ ساری باتیں شیطانی نظام کے چکر ہوتے ہیں۔ شیطانی نظام ایک پلاننگ کے ساتھ نافذ کیا جاتا ہے۔ یورپ میں اور کم از کم امریکہ میں یہ بات ہے کہ وہاں آپ اپنے بچوں کو ڈرا نہیں سکتے، یہ بھی ایک شیطانی قانون ہے۔ کیونکہ پھر تربیت کیسے کریں؟ ترغیب اور ترہیب یہ تربیت کے دو راستے ہیں، ترغیب یعنی لالچ دینا، جس کو انگریزی میں motivation کہتے ہیں اور ترھیب یعنی ڈرانا۔ بشیر و نذیر؛ یہ دونوں باقاعدہ آپ ﷺ کے نام ہیں، بشیر کا مطلب بشارت دینے والا اور نذیر کا مطلب ڈرانے والا۔ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اب آپ اگر صرف بشارت کو رہنے دیں اور ڈرانے کو ممنوع قرار دیں تو بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو بشیر سے قابو میں نہیں آتیں، ان کے لئے نذیر کی ضرورت ہوتی ہے تو نتیجۃً ان کے لئے کھلی چھٹی مل گئی، اس وجہ سے وہاں صورتحال یہ ہے کہ اگر آپ اپنے بچوں کو ڈراتے ہیں اور وہ ایک ٹیلی فون کال کر لیتے ہیں تو آپ جیل میں جائیں گے اور پھر بچوں کو اس بات کا پتا بھی ہوتا ہے، سکولوں میں ان کو معلوم ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے بچے پھر بڑوں کو ڈراتے ہیں، وہ باقاعدہ دھمکیاں بھی دیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک پاکستانی صاحب وہاں پر مقیم تھے، وہاں اس قسم کی بہت ساری چیزوں سے ان کو گزرنا پڑا، تو جس وقت وہ پاکستان ایئرپورٹ پر اترے تو ادھر ہی سے اپنے بچے کو مارنا شروع کر دیا اور اس سے کہہ رہے تھے کہ اب تک تو نے مجھے بہت

تنگ کیا، اب میں تجھے دیکھتا ہوں یعنی باپ بہت جلا ہوا تھا۔ تو وہاں پر یہ مسئلہ ہے، وہاں پر شیطانی نظام قائم ہے، ہماری بچی تھی تو مائیں بعض دفعہ زور سے بھی کہہ دیتی ہیں کہ یہ کام کیوں نہیں کیا؟ تو ہمارے مکان کے اوپر والے حصے میں رہنے والی ایک عورت تھی، اس نے ہمارے لیٹر بکس میں خط پھینکا، ہم نے دیکھا تو اس نے لکھا تھا کہ ہم نے یہاں سے ایک چیخ کی آواز سنی ہے، کیا وجہ ہے؟ میں نے گھر والوں سے کہا کہ آئندہ احتیاط کرو، یہاں پر یہ مسئلے ہوتے ہیں، رپورٹ ہو جائے گی تو پھر انکوائری شروع ہو جائے گی اور پھر مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ یہ چیزیں وہاں پر اس طرح بنی ہوئی ہیں اور اس کے نقصانات ہم دیکھتے ہیں۔ وہاں پر کیا نہیں ہو رہا؟ سب کچھ ہو رہا ہے، ان کو روکنے والی کوئی چیز نہیں، وہاں مرضی سے جو کچھ کرو، اجازت ہے اور زبردستی منع ہے حالاں کہ شریعت میں زبردستی بھی منع ہے اور رضا مندی سے بھی منع ہے۔ بہر حال یہ ان کا قانون ہے، اب شیطان نے کیسے زبردست طریقہ سے پلاننگ کی ہے اور اس پلاننگ سے یہ ساری چیزیں چل رہی ہیں۔

اس وجہ سے میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے جو نظام چل رہے ہیں اور اس وقت خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں، پچھلے سال ان کی حالت اس وقت سے کچھ اچھی تھی اور اب وہ پچھلے سال کی بنسبت خراب ہیں اور اگلے سال شاید اس سے بھی زیادہ خراب ہوں اور اس سے اگلے سال شاید اس سے بھی زیادہ خراب ہوں، یہ معاملات خرابی کی طرف جو جارہے ہیں تو کیوں؟ آخر وجہ کیا ہے کہ خیر کے پھیلانے کی جو صورتیں ہیں، وہ کمزور پڑ رہی ہیں اور شر کے پھیلانے کی صورتیں مزید زورآور ہو رہی ہیں تو نتیجہ کیا ہو گا؟ نتیجہ یہی ہو گا کہ برائی مزید آئے گی، پھر سسٹم کے اندر خیر کا کام کرنے کی صلاحیت مزید کم ہو جائے گی اور شر کے کرنے کی صلاحیت مزید بڑھ جائے گی تو یہ ایک سلسلہ چل رہا ہے، اسی کو ہم دجالیت کہتے ہیں اور اسی دجالیت کے اندر ہی پھر ایک دجال آ جائے گا، جو بڑا دجال ہو گا لیکن موجودہ دجالیت نے اس کے لئے میدان اتنا ہموار کیا ہو گا کہ اس کو کام کرنے کی ضرورت بہت کم ہو گی، لوگ خود ہی اس کی طرف بھاگیں گے کہ ہمیں بھی گمراہ کرو۔ آپ دیکھیں! لوگ nationality (شہریت) حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے، اپنا سب کچھ اس کے لئے قربان کر دیتے

ہیں حالانکہ ان کو پتا ہے کہ اگر مجھے امریکہ کی nationality (شہریت) مل بھی گئی تو میں اگر مضبوط مسلمان ہوں تو میں بچ جاؤں گا ان شاء اللہ، میری اولاد بھی شاید کسی حد تک بچ جائے لیکن ان کی اولاد کا کوئی پتا نہیں ہے، اس وقت جو بورس جانسن ہے جو برطانیہ کا وزیرِاعظم ہے، اس کی چوتھی پشت اوپر یعنی باپ دادا، اس کے پردادا یا پردادا کے والد ماشاء اللہ ترکی کے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اور یہ باقاعدہ ادھر گیا بھی ہے اس نے اس جگہ کا وزٹ بھی کیا ہے لیکن یہ بہت ہی راسخ العقیدہ عیسائی ہے، بہت خطرناک آدمی ہے لیکن اس کے آباء و اجداد مسلمان تھے۔ چنانچہ انسان جب وہاں پر جا کر اپنی شناخت کھو دیتا ہے تو پھر بعد میں اس قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں، لیکن ابھی ہم جو nationality (شہریت) حاصل کرتے ہیں تو بڑے خوش ہوتے ہیں، ایک دفعہ ہمارے PIEAS میں ایک صاحب کو nationality (شہریت) ملی تھی، میرے خیال میں کچھ چیزیں موقع کا چانس بھی ہوتی ہیں، اس کو nationality (شہریت) مل گئی، مجھے تو پتا نہیں تھا، میں تو بے خبر آدمی ہوں، خیر ایسا ہوا کہ ایک دن میں نے ویسے ہی پوچھا کہ کیا حال ہے؟ تو اس کی آنکھوں میں ایک روشنی سی آئی اور کہا کہ آپ کو پتا نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ مجھے امریکہ کی nationality (شہریت) مل گئی ہے۔ اس کو تو میں نے کچھ نہیں کہا لیکن دل میں بہت افسوس ہوا کہ اس بیچارے کو بڑی خوشی ہے لیکن اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے اس کا اس کو پتا ہی نہیں ہے۔ لوگ nationality (شہریت) ملنے پر بہت خوشیاں مناتے ہیں، یہی دجالیت ہوتی ہے کہ آپ گمراہی کی طرف خود لپک کے جائیں، آپ اس کو خود قبول کریں تو یہ مسئلہ ہے۔ بہرحال اب یہ چیزیں مزید بڑھ رہی ہیں، اس لئے ہمیں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

عید سے بات چلی تھی تو عید اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوشی کے لئے دی ہے، عید الفطر یعنی روزہ افطار کرانے والی عید، اس میں خوشی تو ہے، اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ خوشی روحانی ہونی چاہئے، جسمانی خوشی وہ ہو جو روحانیت کے ذریعے سے آئے، بہت سارے لوگ ہیں جو بڑی ٹینشن میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کی ٹینشن کی وجہ سے ان کو بیماریاں بھی لاحق ہوتی رہتی ہیں، کبھی ہارٹ، کبھی بلڈ پریشر، کبھی شوگر، کبھی کیا اور

کبھی کیا، یہ بیماریاں ٹینشن کے اثر سے ہوتی ہیں پھر ان کو ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ آپ صحت افزا مقامات کی طرف جائیں اور یہ کریں اور وہ کریں، یہ ان کے اپنے طریقہ کار ہیں جو ان لوگوں نے معلوم کئے ہیں، یہ ان کے مطابق چلتے ہیں۔

لیکن ہماری پشاور یونیورسٹی میں یہ حال تھا کہ جو لوگ بہت تنگ ہو کر ٹینشن میں آ جاتے چاہے وہ پروفیسر ہوں، چاہے کوئی اور، ان کو لوگ کہتے کہ مولانا صاحب کی مجلس میں چلے جاؤ، مولانا صاحب کی مجلس میں چند دن جانے سے ان کی پریشانی ختم ہو جاتی۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ایسا ہر جگہ ہو سکتا ہے، روحانیت بذات خود اپنا کام کرتی ہے، جس چیز نے آپ کو ڈسا ہے یعنی دنیا کی محبت، آپ اس کو تھوڑا کم کر کے تو دیکھیں، یہ اثرات ختم ہونے شروع ہو جائیں گے، حسد، کینہ اور اس طرح کی ساری چیزیں دنیاوی چیزیں ہیں، دنیا کی چیزوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں تو اگر آپ کی یہ چیزیں کسی ماحول کی وجہ سے کم ہو جائیں تو اس کے اثرات بھی کم ہو جائیں گے۔ مولانا صاحب کی مجلس سے ما شاء اللہ لوگوں کو فائدہ ہوتا تھا حالاں کہ بعض لوگ مولانا صاحب کو مانتے بھی نہیں تھے لیکن بیماری کی وجہ سے چلے جاتے تھے۔

ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ ہمارے مخالفین کو بھی جب کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو پھر ہم سے رجوع کر لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے دل میں بھی یہ بات ہے کہ یہ ٹھیک ہے کیوں کہ جب ان کو ضرورت پڑتی ہے تو پھر تو وہ مانتے ہیں لیکن عام حالت میں وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور لوگوں میں اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔

بہر حال؛ یہ صرف میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ روحانیت جسمانی خوشی کا بھی انتظام کرتی ہے لیکن اس کے لئے آپ کو تھوڑا سا انتظار کرنا ہوتا ہے، صبر سے کام لینا ہوتا ہے کیوں کہ یہ چیزیں ایک مستقل طریقے سے یعنی ایک نظام کو تبدیل کرنے سے حاصل ہوتی ہیں، یہ چیزیں وقتی اور عارضی نہیں ہوتیں۔ اس لئے اچھی مجلس میں بیٹھنے سے آپ کو فائدہ ہو گا، کسی بھی اچھی محفل میں جا کر انسان کو فائدہ ہوتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک کیپٹن صاحب آئے تھے، ان کا واقعہ میں نے آپ میں سے

بہت سارے لوگوں کو سنایا ہے، وہ سائکاٹری part-I مکمل کر چکے تھے اور part-II میں تھے، وہ نفساتی بیمار ہو گئے تھے اور جب میرے پاس آئے تو مجھے کہا کہ شبیر صاحب! کیا میں رو سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ یہ آپ کا حق ہے، آپ رو سکتے ہیں تو وہ رو پڑے، پھر انہوں نے مجھے اپنے دفتر، اپنے گھر وغیرہ کے احوال بتائے، بچارے واقعی بڑے مظلوم تھے، بہت سارے مسائل ان کے ساتھ تھے، انہوں نے مجھے سارے بتائے۔ میں نے ان کو کہا کہ ڈاکٹر صاحب! یہ تو آپ کی فیلڈ ہے، میری فیلڈ نہیں ہے، میں صرف آپ سے یہ بات عرض کرتا ہوں کہ آپ ایک کام کریں، وہ یہ کہ جو حالات آپ پر گذرے ہیں، وہ بہت منفی ہیں اور آپ کو یاد بھی ہیں لیکن آپ کے مثبت حالات جو بچپن سے لے کر اب تک آپ کے ساتھ ہیں، جن کو آپ مثبت سمجھتے ہیں، کوشش کر کے ان کو لکھ لیں، اور پھر اس کو کبھی کبھار دیکھتے رہیں۔ اخیر میں اس نے کہا کہ شاہ صاحب! آپ کی بات تو سمجھ نہیں آئی لیکن مجھے یہاں سکون مل گیا ہے، کیا میں دوبارہ آ سکتا ہوں؟

اب آپ مجھے بتائیں کہ اس کی Statement (بات) میں آپ کو کیا نظر آتا ہے؟ جو چیزیں ان کے ساتھ تھیں، وہ فوراً ختم تو نہیں ہوئیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ مجھے سکون مل گیا ہے۔ یہ سکون کون سا مل گیا؟ کیا وہ چیزیں ہٹ گئیں؟ نہیں، لیکن روحانیت بھی کوئی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، روحانیت سے ان کو فائدہ ہو گیا یہ بات وہ خود ہی کہتے ہے، پھر واقعی وہ اس پر عمل کرتے تھے یعنی ہر مہینہ ایک دفعہ آتے تھے، ہر بار میں ان کو یہی بات مختلف الفاظ میں بتاتا کیوں کہ ان کا علاج یہی تھا، وہ کہتے تھے کہ مجھے سمجھ تو نہیں آئی لیکن یہاں مجھے سکون ملتا ہے اور چھ مہینہ کے بعد انہوں نے مجھے کہا کہ اب مجھے بات سمجھ آگئی، میں نے کہا کہ ان شاء اللہ اب آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔

تقریباً ایک مہینہ کے بعد جب وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ میں اَسّی (80) فیصد ٹھیک ہو گیا ہوں، اب میں صرف موڈ سٹیبلائزر لیتا ہوں، کوئی اور دوائی لینے کی مجھے ضرورت نہیں ہے، الحمد للہ میں اب کافی حد تک ٹھیک ہوں۔ پھر انہوں نے مجھے کہا کہ آپ میڈیکل کالج آئیں اور ہمیں لیکچر دیں، آپ کے پاس بہت علم ہے، میں نے

کہا کہ میں ہر گز نہیں آؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ آپ بیمار تھے، لہذا آپ کو فائدہ ہو گیا، اب آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں بہت فائدہ ہے لیکن آپ مجھے بتاؤ کہ وہ لوگ میری بات کیسے سنیں گے؟ وہ کہیں گے کہ تم انجینئر ہو، ڈاکٹروں کو کیوں سنا رہے ہو؟ بلا وجہ میری بے عزتی ہو جائے گی، میں آؤں بھی اور بے عزتی بھی کرواؤں؟ ایسا کیوں؟ اس لئے میں نہیں آؤں گا۔

میں نے کہا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو باتیں میں آپ کو سکھاتا ہوں، آپ وہاں پر ان باتوں کا لیکچر دے دیں، آپ ڈاکٹر ہیں، آپ لیکچر دے سکتے ہیں، واقعہ تو لمبا ہے لیکن مقصود وہی دو باتیں ہیں جو میں نے عرض کر دیں، ایک بات یہ کہ چھ مہینوں کے بعد انہوں نے کہا کہ اب میں ٹھیک ہو گیا ہوں اور موڈ سٹیبلائزر پر رہتا ہوں، اور دوسری بات یہ کہ ہر دفعہ وہ کہتے کہ مجھے یہاں روحانی سکون ملتا ہے، یہ دونوں باتیں آپ کو سمجھ آ گئی ہیں! تو پھر انہیں یاد رکھنا چاہئے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر آپ اللہ کے ساتھ ہیں اور اللہ آپ کے ساتھ ہے تو آپ دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے بہت فائدے میں ہیں اور اگر آپ دنیا کے ساتھ ہیں یا دنیا آپ کے ساتھ ہے تو آپ دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے خطرے میں ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حضرت کو کچھ لکھا، حضرت نے فرمایا: خواجہ صاحب آج کل تارک الدنیا ہونا تو بہت زیادہ مشکل ہے، البتہ جس پہ اللہ فضل فرماتے ہیں اس کو متروک الدنیا بنا دیتے ہیں یعنی لوگ اس کو چھوڑ دیتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ دل میں یہ سوچ پیدا ہونا کہ دنیا میرے ساتھ ہے اور میری مدد کر رہی ہے، یہ بھی خطرے کی بات ہے۔ اس لئے ہمارے اکابر اس سے بھاگتے تھے، ہمارے حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جس جگہ مزار ہے، یہ ایک ویرانہ تھا، یہاں پہلے کچھ بھی نہیں تھا اور حضرت کا گھر جس کو میلہ کہتے ہیں، وہ پہاڑوں میں ہے، اب بھی آپ جائیں تو وہاں کچھ بھی نہیں ہے، ان کا گھر، ان کے والد صاحب کا گھر اور ان کے دادا کا گھر بھی سب ویرانے میں ہیں، اور آج بھی وہاں ویرانہ ہے کیوں کہ ہمارے کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ حال تھا کہ لوگ ان کے پاس آتے تو وہ ان سے کہتے تھے کہ بھائی! میں پیر نہیں ہوں، میرے پاس کیوں آتے ہو؟ لیکن وہ لوگ پھر بھی آ کر کہتے کہ ہمیں فائدہ ہوتا ہے، حضرت نے لنگر بند کر دیا کہ اب نہیں

آئیں گے، لوگ پھر بھی آتے تھے، قرب و جوار میں بسنے والے لوگوں نے ترس کھا کر ان لوگوں کو کھانا پلانا شروع کر دیا، حضرت نے ان کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرے ساتھ تعلق رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو کھانا نہ دیں، وہ کھانا بھی رکوا دیا گیا لیکن وہ لوگ پھر بھی اپنے ساتھ کھانے کے برتن لے آتے، ایک دفعہ ان کے کھانے کے برتن الٹا دیئے گئے لیکن اس کے باوجود لوگ بھوکے وہاں پر پڑے رہتے کہ ہم تو نہیں جائیں گے، پھر حضرت نے فرمایا! اب مجھے شرح صدر ہو گیا ہے کہ اس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے میری طرف متوجہ کیا ہے، لہذا ان کو نہیں دھتکارنا چاہیئے۔ پھر باقاعدہ حضرت نے لنگر بھی شروع کر دیا اور ان کا اکرام بھی شروع کر دیا کہ جب اللہ پاک کی مرضی یہی ہے تو میں کیا کروں؟ اب آپ دیکھیں کہ حضرت اس سے بھاگتے رہے، ایسا بھی ہوتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ آپ کے پیچھے آئیں تو بھی آپ کے لئے مسائل ہیں اور لوگوں کے پیچھے آپ جائیں پھر بھی مسائل ہیں۔ البتہ اگر اللہ تعالی ساتھ ہے تو پھر کوئی دشواری نہیں۔

اللہ کی توفیق سے ہی اللہ تعالی کے ساتھ ہونے کا بہت آسان طریقہ بتاتا ہوں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ جب کسی کے ہونٹوں پر میرا ذکر جاری ہوتا ہے تو اس وقت میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، یہ کام آپ کے لئے کون سا مشکل ہے؟ بس ذکر کرتے رہو، ذکر کرتے ہوئے ہونٹ ہلاتے رہو، اللہ ساتھ ہو جاتا ہے۔

عید کے دن کیا کرنا ہوتا ہے؟ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"۔ ان کلمات کا ورد کرنا ہوتا ہے۔ عید الفطر کے موقع پر آہستہ آواز سے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے نماز کے لئے ایک راستے سے جائیں اور دوسرے راستے سے واپس آئیں تاکہ ہر راستہ آپ کے بارے میں گواہی دے، عید الفطر کے موقع پر آپ آہستہ آہستہ ان کلمات کا ذکر کریں، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" "وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" میں زبردست مزہ ہے کیوں کہ یہ خوشی اللہ پاک نے دی ہے، جب آپ "وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" کہہ کر اس خوشی کا شکر ادا کریں گے تو نعمت بڑھ جائے گی، وہ

نعمت جو آپ کے اندر engraved (پختہ) ہو گئی ہے، وہ سطح پر آنے لگے گی اور آپ کو محسوس ہونے لگے گا کہ واقعی میں خوش ہوں۔

ویسے تو یہ نعمت پہلے سے ہی باطن میں موجود ہوتی ہے لیکن جب بار بار آپ یہ ذکر کرتے ہیں اور "وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" کہتے ہیں تو وہ نعمت باطن سے ظاہر پر آ جاتی ہے پھر وہ بڑھتی بڑھتی اس طرح ہو جاتی ہے کہ ظاہر میں بھی نفس پذیر ہو جاتی ہے، اس کے بعد بھی اگر آپ مزید بڑھانا چاہیں تو بڑھتے رہیں، بڑھتے بڑھتے آپ کی اس کیفیت کو دوسروں تک منتقل کرنے کا راستہ بھی بنا دیا جاتا ہے، پھر دوسرے لوگ بھی آپ کو دیکھ کر خوشی اور اطمینان محسوس کریں گے جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے مولانا صاحب کی مثال بیان کی ہے، انہیں دیکھ کر لوگ خوشی محسوس کرتے تھے اور لوگوں کو سکون حاصل ہوتا تھا، ہمیں بھی ایسا ہی بننا چاہیئے۔

یہ بھی ایک مستقل دنیا ہے، اگر آپ اس میں لگ گئے تو ان شاء اللہ دوسری چیزیں آپ سے ہٹ جائیں گی یا لوگ آپ کو ہٹا دیں گے، ہمارے قریبی رشتہ داروں کے گھروں میں جب شادیاں وغیرہ ہوتی تھیں تو کچھ لوگ تو شریعت کا احترام کرتے ہیں اور کچھ لوگ احساس کمتری کی وجہ سے اچھے خاصے ملوث ہو جاتے ہیں، رشتہ داری کی وجہ سے ایسے مواقع پر مجھے بھی جانا ہوتا تھا، تو وہ خود مجھے کہتے کہ جلدی سونا چاہیئے، میرے لئے پہلے سے بستر وغیرہ کا انتظام کیا ہوتا کہ یہ جلدی سو جائے تاکہ ہمیں منع نہ کرے، میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا تھا۔ جیسا کہ ایک دفعہ سکردو والوں نے مجھے فرنٹ سیٹ پر بیٹھایا، میں سمجھا کہ شاید انہوں نے میری عزت کی ہے اور ادب کی وجہ سے مجھے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا ہے، لیکن بعد میں پتا چلا کہ میرے پیچھے شیطان کا ٹیلی ویژن والا پورا نظام موجود تھا، اگر وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے تو ٹیلی ویژن نہیں دیکھ سکتے تھے، اس لئے یہ متروک سیٹ تھی، یہ متروک سیٹ انہوں نے مجھے دے دی۔

مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کو اللہ پاک نے اپنے فضل سے اپنے لئے قبول فرما لیا ہے تو پھر لوگ آپ کو خود ہی دھتکار دیں گے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص قبول ہو گیا ہے، اس نے داڑھی رکھ لی ہے اور اس کی داڑھی قبول ہو گئی ہے، لوگ اس سے

تنگ ہوتے ہیں حالانکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ خوشی کا اظہار کرو کیوں کہ اللہ نے آپ کی داڑھی قبول کر لی ہے، پھر اگر آپ غلط کام کی طرف جائیں گے تو لوگ کہیں گے کہ آپ داڑھی کے ساتھ غلط کام کر رہے ہیں؟ یعنی داڑھی آپ کے لئے بطور چوکیدار ثابت ہوئی کہ اب آپ کو غلط سمت نہیں جانے دیا جا رہا، اب آپ کو اللہ پاک نے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ جو چیزیں انسان میں نہیں ہونی چاہئیں، ان سے آپ کو ہٹا دیا گیا۔ یہ اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اس وجہ سے میں عرض کرتا ہوں کہ عید کے موقع پر بھی دل میں اللہ کی یاد اور زبان سے یہ کلمات "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"۔ جاری رہنے چاہئیں اور تقویٰ اختیار کرنا چاہئے، تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ آپ ایسی جگہوں پر نہ جائیں، جہاں گناہ ہونے کا خطرہ ہو، جب آپ ایسی جگہوں پر نہیں جائیں گے تو پھر آپ کے ساتھ اللہ پاک کا پورا ایک نظام ہو گا کیوں کہ صبر اور تقویٰ کے ذریعے سے اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے، اگر آپ نے صبر اور تقویٰ کو اپنا لیا اور گناہ کے مقامات پر جانے سے اپنے آپ کو بچا لیا تو پھر اللہ تعالیٰ آپ کے لئے راستے بنائیں گے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق: 2)

ترجمہ: "جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا"۔

بہر حال! ہمیں عید کے دن کا استقبال کرنا چاہئے، یہ ایک فکر ہے کہ ہماری عیدیں کیسی گزریں، اس فکر کے لئے جو کچھ میسر ہو، ہمیں اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

عید سعید

ایک رمضاں کی خوشی اور پھر یہ عیدِ سعید
اللہ بار بار ہمیں دے اور اس پر مزید

اپنا دیدار ہمیں کر دے نصیب جنت میں
ہم ہیں نالائق مگر اس سے یہ رکھتے ہیں امید

تشریح:

اس وقت اصل عید ہو گی جب اللہ کے ساتھ ملاقات ہو گی، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔

سارے اعمال ہوئے اس کی ہی توفیق سے ہیں
اب وہ فرمائے قبول، اس کی ملے ہم کو نوید

تشریح:

حدیث میں آتا ہے کہ عید کے دن جو لوگ نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں تو اللہ اور فرشتوں کے مکالمے کے بعد یہ اعلان ہوتا ہے کہ تم بخشے بخشائے گھروں میں چلے جاؤ۔

ایک افطاری کی لذت ملے روزے سے یہاں
ایک جنت میں وہ فرحت ملے بوقتِ دید

علتِ صوم یعنی تقویٰ ہمیں مل جائے
کیونکہ ایمان سے ملن اس کا ولایت کی نوید

تشریح:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (یونس: 62)

ترجمہ: "یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، ان کو نہ کوئی خوف ہو گا، نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (یونس: 63)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور تقوی اختیار کئے رہے"۔

ایمان تو الحمد للہ ہمارے پاس ہے، اب تقویٰ کے ساتھ ہمیں یہ چیز حاصل ہو

جائے گی۔

وہ جو دشمن ہے ہمارا، ہماری تاک میں ہے
حملہ کرتا ہے وہ سخت سب پہ اسی لیلۃ العید

اور پھر عید کے دنوں میں کہاں چھوڑے گا
کر دے زہریلا ترے پاس لبن تیرا خرید

تشریح:

دودھ جو تو نے رمضان شریف میں جمع کیا ہے، اس کو زہریلا بنا دے گا، اس کے اندر اپنی چیز ڈال دے گا۔

تو اس میں جاری رکھے صالحین کی صحبت اگر
تو اس کو مل نہ سکے کوئی ترے دل میں چھید

یہی تقویٰ ترا رمضان کا کافی ہو شبیرؔ
سال پورا رہے باقی، بنے تو اس کا شہید

چوں کہ عید کے دن غیر محرموں سے کافی خطرہ ہے، اس لئے اس پر بھی ایک رباعی سن لیجئے۔

غیر محرم کا اثر

جو کہیں، ان پر غیر محرم کا اثر نہیں تو وہ سمجھے ہی نہیں
دیکھنا ان کا جرم، جب دیکھا تو وہ دیکھنے سے تو بچے ہی نہیں

جو گناہ ہو اور گناہ نہ سمجھے کوئی اس کو، بڑا گناہ ہے یہ
پیروی خواہشِ نفس کی ہے یہ تو وہ اس سے ابھی نکلے ہی نہیں

عید کے دن کیا کریں؟

نورِ تقویٰ سے تو نعمت کی شناخت کر لو
حکم سے اس کے استعمال وہ نعمت کر لو

نور تقویٰ کا ملا تم کو جو رمضان سے ہے
باقی رکھنے کے لئے تھوڑی سی محنت کر لو

لیلۃُ العید میں ناجنس کی صحبت سے بچو
رات اچھی ہے کچھ اس میں بھی عبادت کر لو

تشریح:

الحمد للہ میرا یہ معمول ہے کہ میں اس رات میں اخیر کے دو پارے پڑھ لیتا ہوں، ان دو پاروں کی ہزار آیتیں بن جاتی ہیں اور اگر کوئی شخص کسی رات میں ہزار آیتیں پڑھ لے تو اس کو بہت زیادہ اجر ملتا ہے، تو اس رات میں آپ یہ عمل بھی کر سکتے ہیں۔

لیلۃُ الجائزہ مزدوری کے ملنے کی ہے رات
اس کے لینے کے لئے تھوڑی سی حرکت کر لو

عید روحانی خوشی کا ہے ذریعہ کیا خوب
جائز اعمال سے حاصل اس کی لذت کر لو

نفس کو نفس کی چاہتوں کے حوالے نہ کرو
یہ اگر چاہے تو اس کی مخالفت کر لو

کپڑے اچھے، کھانا اچھا ہو مبارک تم کو
ہاں کسی طرح نہ تم قصدِ معصیت کر لو

لب پہ تکبیر ہو اور دل شکر سے ہو لبریز
واسطے اس کے قبول میری نصیحت کر لو

تشریح:

تکبیر یعنی "اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"۔

رشتہ داروں سے ہو ملنا صلہ رحمی کے لئے
دل سے کینے کو اور بغض کو رخصت کر لو

بھول جانا نہیں اس دن مرنے والوں کو بھی
ہو اگر صورتِ امکاں ان کی زیارت کر لو

ہاں مگر عورتوں کا جانا قبرستاں نہیں درست
لازم اپنے پہ پابندی شریعت کر لو

اپنی خوشیوں میں غریبوں کی خوشی یاد رہے
صدقہ فطرانہ سے کچھ ان کی بھی خدمت کر لو

دینا بچوں کو ہو عیدی تو یہ بدلے پر نہ ہو
اس طرح سود سے اپنی محافظت کر لو

تشریح:

علماء نے کہا ہے کہ اگر عیدی دینے میں آپ کی نیت دوبارہ لینے کی نیت ہے تو پھر یہ قرض بن جاتا ہے اور قرض میں بڑھوتری سود ہے۔

تم اگر چاہو کہ دل کی خوشی کو پا جاؤ
یہ چند اشعار تم شبیؔر کے سماعت کر لو

نورِ تقویٰ سے تو نعمت کی شناخت کر لو
حکم سے اس کے استعمال وہ نعمت کر لو

یعنی نور تقویٰ جس کو حاصل ہوتا ہے تو اس کو واقعی ان نعمتوں کا ادراک ہو جاتا ہے کہ اس دن میں کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن اگر تقویٰ نہ ہو تو پھر نفس کی بات ہوتی ہے کیوں کہ اگر تقویٰ نہ ہو تو پھر نفس کی بات چلتی ہے اور نفس آپ کو دوسری چیز دکھائے گا اور وہ اسی چیز کی طرف جائے گا۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو صحیح معنوں میں عید کی خوشیاں نصیب فرما دے۔

البتہ اس موقع پر ایک ضروری بات ہے جو یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ شوال کے چھ روزے ہیں، جن کی باقاعدہ ترغیب ہے، ان کے لئے بھی چند اشعار سن لو۔

شوال کے روزے

روزے چاہے کہ تو کچھ اور رکھے
اسی شوال کے مہینے کے

دس مہینے بنے رمضان کے جب
اور ان کے بھی دو مہینے ہوئے

ایک کے دس ملتے ہیں خدا کے ہاں
گویا رکھے ہیں سال بھر روزے

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ نیکی کا اجر دس گنا ہے، ایک مہینہ کے روزے آپ نے رکھ لئے تو گویا دس مہینہ ہو گئے، اگر مزید چھ روزے رکھ لیں گے تو پورا سال روزے رکھنے کا ثواب حاصل ہوگا کیوں کہ چھ کو دس سے ضرب دیں تو حاصلِ ضرب ساٹھ ہوگا پھر ساٹھ کو تیس سے تقسیم کریں (کیوں کہ ایک ماہ تیس دن کا ہوتا ہے) تو حاصلِ تقسیم دو ہوگا، تو چھ روزے رکھنے سے دو ماہ روزے رکھنے کا ثواب حاصل ہوا، اس طرح گویا پورا سال آپ نے روزے رکھے۔

ہم کو اُمید اس سے یہ بھی ہوئی
اثر اس کا پھر سال بھر ہی رہے

تشریح:

یعنی پہلے دن تو آپ نے روزہ نہیں رکھا لیکن جب عید کے اگلے دن سے آپ نے روزے رکھنے شروع کر لئے تو روزے کی برکت سے آپ گناہوں سے بچیں گے، اس طریقے سے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

کیا کوئی حد ہے اس کے دینے کی
لینا چاہو گے تو مزید ملے

یہ بہانے ہیں اس کے دینے کے
شبّیرؔ کیوں رہیں پھر ہم پیچھے

تشریح:

اللہ پاک ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔ اس میں بہت کچھ آگیا، شوال کے مہینہ کے چھ روزے؛ ضروری نہیں ہے کہ آپ ان کو لگا تار رکھیں، درمیان میں فصل بھی کیا جا سکتا ہے یعنی دو شوال کو روزہ رکھ لیا اور تین شوال کو نہیں رکھا، پانچ شوال کو رکھ لیا اور چھ شوال کو نہیں رکھا، اس طرح بھی آپ چھ روزے پورے کر سکتے ہیں۔ اس کی برکات ان شاء اللہ العزیز اس طرح بھی آپ کو نصیب ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عید کی صحیح خوشیاں نصیب فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تعلیماتِ مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہمارے ہاں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے درس کا سلسلہ چل رہا ہے۔ آج بھی ان شاء اللہ اس پر بات ہو گی۔

نقشبندی سلسلے میں اتباع سنت کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ان کے ہاں عزیمت کے ساتھ سنت پر عمل کرنے کو ہی مجاہدہ کہتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کا ایک بڑا حصہ اتباعِ سنت پر زور دینے اور ردِّ بدعات پر مختص ہے، کیونکہ بدعات سنت کے مقابلے میں ہوتی ہیں۔

دفتر اول کے مکتوبات 25، 37، 41، 42، 44، 74، 75، 78، 114، 152، 165، 171، 178، 237 اور 249 اور دفتر دوم کے مکتوبات نمبر 19، 23، 32 اور 54 اور دفتر سوم کے مکتوب نمبر 13 میں اتباع سنت کی پُر زور تعلیم دی ہے۔ اس لئے جو بھی اپنے آپ کو مجددی کہتے ہیں ان پہ لازم ہے کہ اتباع سنت کو ہمہ وقت سینے سے لگائے رکھیں اور بدعات سے کوسوں دور رہیں اور اگر اس میں کوئی ناکام ہو اور صرف یہی نعرہ لگاتا ہو کہ نقشبندی سلسلہ سب سے افضل ہے، ہم مجددی ہیں اور ہم فضلی ہیں، تو یہ "پدرم سلطان بود" کا نعرہ عوام میں تو مقبول ہو سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ کوئی وعدہ نہیں ہے۔

یہ بات میں اس لئے پُر زور طریقہ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نقشبندی سلسلہ میں واقعی بہت کمالات ہیں، یہ طریقہ بہت مختصر ہے اور بہت طاقت ور ہے۔ لیکن اس کے ڈانڈے سنت کے ساتھ ملتے ہیں، بدعت کو قریب نہیں آنے دیتا۔ پس اگر بدعت اس کے ساتھ مل گئی تو اس کی وہ افادیت نہیں رہے گی۔ تو یقیناً اس میں سب سے بڑا مجاہدہ سنت کی اتباع ہے۔ باقی مجاہدات سے اس کا تعلق اس لئے زیادہ نہیں ہے کیونکہ

اس کا اصل مجاہدہ یہی ہے۔اس مجاہدے میں اگر ناکامی ہو تو پھر دوسرے مجاہدات کی ضرورت پڑتی ہے۔ دوسرے سلاسل میں بھی مجاہدات اسی وجہ سے ہیں کہ اگر کوئی یہ مجاہدہ پہلے نہیں کر سکتا تو اس کے لئے ابتدا میں وہ مجاہدہ ہو جو اس مجاہدے کے لئے انسان کو تیار کر لے اور جب وہ تیار ہو جائے تو پھر سارے سلسلوں میں اصل مجاہدہ یہی ہے، انتہا میں سب کا یہی حال ہے۔ لیکن جس بنیاد پر اپنے آپ کو ان مجاہدات سے الگ رکھا گیا ہے اور اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے، وہ بنیاد یہ ہے کہ اتباعِ سنت ہو۔ اگر اتباعِ سنت بھی نہ ہو اور وہ مجاہدات بھی نہ ہوں تو پھر وہ صرف نعرہ ہی نعرہ ہو گا۔

متن:

مکتوب نمبر 37 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن: یہ فقیر اپنے موجودہ حال کی نسبت لکھتا ہے کہ بہت عرصے تک علوم و معارف اور احوال و مواجید ماہِ نیساں کے بادل کی طرح بکثرت و لگا تار وارد ہوتے رہے اور جو کام کہ کرنا چاہئے تھا حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا۔ اور اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے سپرد رہیں۔

آپ کو چاہئے کہ (اپنے) باطن کو (اپنے سلسلہ کے) خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت سے معمور رکھتے ہوئے (اپنے) ظاہر کو ظاہری سنتوں کی پیروی سے پوری طرح آراستہ و مزین بنائیں۔ ع

کار این ست غیرِ ایں ہمہ ہیچ

(**ترجمہ:** کام ہے اصلی یہی باقی تو سب کچھ ہیچ ہے)

تشریح:

یہ کتنی واضح بات فرمائی ہے۔ خدا کی شان کہ یہ دفتر اول کا مکتوب نمبر 37 ہے، اس کے باوجود کچھ حالات ایسے بنے کہ پہلے اس مکتوب کا بیان نہیں ہو سکا تھا اور اس دفعہ رمضان شریف میں ستائیسویں کو جب مکتوبات شریفہ بالکل پورے ہو رہے تھے

تو سب سے آخر میں یہی مکتوب شریف پڑھا گیا۔ اندازہ کریں کہ حضرت کی جو آخری بات ہے وہی اس میں آگئی۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ مکتوبات نمبر 113 اور 114 جو دفتر سوم کے بالکل آخر میں آتے ہیں، ان میں بھی یہی مضمون ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھیں کہ وہ کیسے چیزوں کو ملاتا ہے اور اللہ پاک نے اس کے لئے رمضان کی ستائیسویں کو چن لیا۔ الحمد للہ! ہمارے سلسلہ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی کرم کی نظر ہے اور نقشبندی سلسلہ کے انوارات اور برکات الحمد للہ ہمارے سلسلہ کو بہت وافر ملے ہیں۔ اگر ہم اس کو نہ سمجھیں تو ناشکری ہو گی اور اگر کوئی اور اس کو نہیں جانتا تو اس سے گلہ نہیں ہے؛ کیونکہ نظر نظر کی بات ہے۔ جن کو بھی اللہ تعالیٰ نے نظر عطا فرمائی ہو ان کو نظر آ جاتا ہے اور جن کو نظر نہیں آتا ان سے گلہ نہیں ہے۔

اس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ بہت عرصے تک علوم و معارف اور احوال و مواجید بکثرت وارد ہوتے رہے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن پر لوگ بڑا ناز کرتے ہیں۔ میں نے اکثر نقشبندی حضرات کو دیکھا ہے کہ بس وہ علوم و معارف اور احوال کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ یہ راستے کی چیزیں ہیں۔ جب میں نے کچھ اس قسم کی باتیں عرض کیں تو الحمد للہ میرے شیخ نے فرمایا کہ یہ راستہ کے کھیل تماشے ہیں۔ لہذا یہ مواجید اور احوال تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے حضرت بھی فرما رہے ہیں۔

متن:

علوم و معارف اور احوال و مواجید ماہِ نیساں کے بادل کی طرح بکثرت و لگا تار وارد ہوتے رہے اور جو کام کہ کرنا چاہئے تھا حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا۔ اور اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی۔

تشریح:

اب آخری بات صرف یہی ہے کہ۔

متن:

نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید

اہلِ ذوق کے سپرد رہیں۔

تشریح:

یعنی اصل بات سنتوں کو زندہ کرنا ہے۔

متن:

آپ کو چاہیے کہ اپنے باطن کو اپنے سلسلے کے خواجگان قدس سرہ کی نسبت سے معمور رکھتے ہوئے ظاہر کو ظاہری سنتوں کی پیروی سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ کر لیں۔ اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔

دفتر اول مکتوب نمبر 41 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم تمام جہانوں کے پروردگار (حق تعالیٰ) کے محبوب ہیں۔ جو چیز عمدہ اور پسندیدہ ہے وہ مطلوب و محبوب کے لئے ہے۔ اسی لئے حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم:4)

(ترجمہ: بے شک (اے محمد ﷺ) آپ البتہ بڑے اخلاق والے ہیں) اور نیز حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾(یٰس: 2-3)

(ترجمہ: بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستہ پر ہیں) اور حق سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ.....﴾ (الأنعام: 153)

(ترجمہ: بے شک یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو)۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے (اس تیسری آیتِ کریمہ میں) آنحضرت علیہ الصلوۃ و السلام کی ملّت کو صراطِ مستقیم فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں کو (محض) راستوں میں داخل فرمایا اور ان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور آنسرور عالم علیہ الصلوۃ و السلام نے بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ظاہر کرنے، مخلوق کو خبر دار کرنے اور

ان کو ہدایت کرنے کے طور پر فرمایا ہے: "خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ" (سب ہدایتوں سے بہتر ہدایت حضرت محمد ﷺ کی ہدایت ہے)۔ نیز آپ علیہ الصلوۃ و السلام نے یہ بھی فرمایا: "اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ" (ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس مجھ کو بہت ہی اچھا ادب سکھایا)۔ اور باطن ظاہر کی تکمیل کرنے والا ہے، اور اس کو مکمل کرنے والا ان دونوں میں بال بھر بھی مخالفت نہیں رکھتا۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل میں جھوٹ کا خیال بھی نہ آنے دینا طریقت و حقیقت ہے (یعنی) اگر یہ خیال کا نہ آنے دینا تکلّف اور مشقّت سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلّف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے۔

تشریح:

سبحان اللہ! کیا عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے۔ تصوف باب تَفَعُّلْ سے ہے۔ باب تَفَعُّلْ تکلّف کا باب ہے۔ یعنی زبردستی ایک کام کو کرنا۔ جیسے تقرب کا معنٰی ہے کہ قریب ہونے کی کوشش کرنا۔ اس طرح تکلم ہے، یعنی بات کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا۔ تعلم کا معنی ہے تعلیم عام کرنا۔ اس طرح تصوف باب تَفَعُّلْ سے ہے، جس میں تکلف پایا جاتا ہے۔ جبکہ جو حقیقت ہوتی ہے اس میں کوئی تکلف نہیں پایا جاتا۔ حقیقت حقیقت ہوتی ہے، چاہے کوئی مانے یا نہ مانے، وہ اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تکلفاً، مشقتاً اس کا خیال نہ آنے دے تو یہ طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر یہ حاصل ہو جائے تو پھر یہ حقیقت ہے۔

متن:

پس در اصل باطن جو کہ طریقت و حقیقت کہلاتا ہے ظاہر کو جو کہ شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے۔

تشریح:

چونکہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ شریعت کا ظاہر تو آپ کر لیں گے۔ لیکن اس کا باطن جب تک نہ ہو تو شریعت مکمل نہیں ہو گی۔ مثلاً میں نے

یہ دیوار تو بنا لی۔ لیکن اس دیوار میں جان نہیں ہے، کیونکہ میں نے روئی کی بنائی۔ اب روئی کے اوپر میں چھت تو نہیں ڈال سکتا۔ جیسے آج کل سڑکوں پر جو stoppers رکھتے ہیں ان کا رنگ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے یہ لوہے کے ہیں، ان کے ساتھ گاڑی ٹکرائے گی تو گاڑی پر ڈینٹ آ جائے گا۔ حالانکہ تھوڑی سی تیز ہوا چلے تو وہ اس کے ساتھ اڑ جاتے ہیں۔ پہلی دفعہ جب یہ گھڑیاں آئی تھیں تو ان کا رنگ بھی تانبے کا ہوتا تھا اور بھاری ہوتی تھیں، پہلے ایسی گھڑیاں ہوتی تھیں جو لکڑی کی ہوتی تھیں، لوہے کی ہوتی تھیں، تانبے کی ہوتی تھیں، ایلومینیم کی ہوتی تھیں۔ لہٰذا وہ بھاری ہوتی تھیں، ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے آدمی اپنے آپ کو پہلے تھوڑا سا تیار کر لیتا تھا کہ اس کے اوپر اتنا بوجھ آئے گا۔ لیکن جب یہ آج کل والی گھڑیاں آئیں تو ان کو وزنی سمجھتے ہوئے لوگ اسی طرح ہاتھ کرتے تھے جیسے یہ بہت وزنی ہوں۔ اسی طرح یہ جو چائنیز چپل ہے، تھوڑی سی بے احتیاطی کے ساتھ پاؤں سے نکالو تو دور چلی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری ملمع سازی ہے، اس میں جان نہیں ہے۔ اس میں جان ڈالنا بھی حقیقت ہے۔ لہٰذا شریعت کے ظاہر پر عمل کرنا اور پھر شریعت کے باطن پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر آپ جو بات کر رہے ہوں، آپ کا دل بھی وہی کہہ رہا ہو، سبحان اللہ! تو پھر بات بنے گی۔ لیکن آپ ظاہر میں کچھ کہہ رہے ہیں اور باطن میں کچھ ہو، پھر تو آپ تکلفاً ہی کر رہے ہوں گے اور یہ غلط بات ہے۔

متن:

پس اگر طریقت و حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں کو اثنائے راہ میں ایسے امور پیش آئیں جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں تو وہ سُکرِ وقت (مستی) کی کیفیت اور وجد و حال کے غلبہ کے باعث ہوں گے۔ اگر اُن کو اس مقام سے گذار کر صحو (ہوش) میں لے آئیں تو یہ شریعت سے مخالفت بالکل رفع ہو جاتی ہے اور وہ متضاد (ایک دوسرے کے مخالف) علوم سب کے سب دُور ہو جاتے ہیں۔

مثلاً صوفیائے کرام کی ایک جماعت سُکر کی وجہ سے احاطہ ذاتی کی قائل ہوئی ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کو بالذات (بلاکیف) عالم کا محیط جانتے ہیں۔ اور یہ حکم اہلِ حق

علمائے کرام کی آراء کے مخالف ہے کیونکہ وہ (علمائے حق) احاطۂ علمی کے قائل ہیں۔

تشریح:

یعنی اللہ جل شانہ نے تمام چیزوں کا علمی احاطہ کیا ہوا ہے۔

متن:

حقیقت میں علماء کی آراء درستی کے زیادہ قریب ہیں۔ جب کہ یہی صوفیائے کرام اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کسی حکم کی پابند نہیں ہوتی اور کسی علم سے معلوم نہیں ہوتی تو اس میں احاطہ و سریان (سرایت کرنا) کا حکم لگانا اس قول کے مخالف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات بیچون و بیچگون (بے مثل و بے کیف) ہے کسی حکم کو اس ذات کی طرف راہ نہیں، وہاں صرف حیرت و نا دانی ہے اور اس مقام میں خالص جہل اور محض حیرانی و پریشانی ہے۔ اس پاک بارگاہ میں احاطہ و سریان کی کیا مجال۔ مگر یہ کہ ان صوفیائے کرام کی جانب سے جو اِن احکام کے قائل ہیں یہ عذر کیا جائے کہ ذات سے ان کی مراد تعین اول ہے۔ اور چونکہ وہ اس (تعین اول) کو متعین پر زائد نہیں جانتے اس لئے اس تعین کو عینِ ذات کہتے ہیں اور وہ تعین اول جس کو وحدت سے تعبیر کیا گیا ہے تمام ممکنات میں جاری و ساری ہے تو (اس لحاظ سے) احاطۂ ذاتی کا حکم کرنا درست ہے۔

تشریح:

اسی کو تاویل کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الوراء ہے وہ نہ تو سمجھ میں آ سکتی ہے اور نہ ہی کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اس کا قرب اس طرح کا قرب نہیں جس طرح ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ قرب ہوتا ہے۔ یعنی احاطے اور contact والی بات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الوراء ہے۔ اس طرح نہیں ہے جیسے ہم لوگ ان چیزوں کے بارے میں جانتے اور دیکھتے ہیں کہ فلاں قریب اور فلاں دور ہے۔ ایک طرف اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (ق:16)

ترجمہ: "ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں" اور دوسری طرف

فرمایا:﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾(الشوریٰ:11)

ترجمہ: "کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے۔" گویا کوئی اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ ان تمام باتوں کو جب ہم ملاتے ہیں تو حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کو آپس میں نہیں ملا سکتے۔ کیونکہ ایک چیز دور بھی ہے، قریب بھی ہے، ظاہر بھی ہے باطن بھی ہے، اول بھی ہے آخر بھی ہے۔ چونکہ ہم اپنے ذہن سے یہ نہیں سمجھ سکتے تو حیرت ہی ہو گی۔

متن:

یہاں ایک دقیقہ (باریک نکتہ) ہے، جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی ذات علمائے اہلِ حق کے نزدیک بے چون و بے چگون (بے مثل و بے کیف) ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس پر زائد ہے، وہ تعین بھی اگر ان کے نزدیک ثابت ہو جائے تو زائد ہی ہو گا اور اس کو حضرت بیچون (بے مثل) کی ذات سے باہر ہی جانیں گے اس لئے اس کے احاطہ کو احاطۂ ذاتی نہیں کہیں گے۔ پس علماء کی نظر ان صوفیوں سے بلند ہوئی، اور اُن صوفیوں کے نزدیک جو ذاتِ حق ہے وہ ان علماء کے نزدیک ما سوا میں داخل ہے۔

تشریح:

اب علماء کی بات کیوں سچ ہے اور صوفیوں کی بات کیوں ان سے پیچھے ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء اپنی طرف سے بات نہیں کرتے اور نہ ان کا دعویٰ ہے کہ میں نے یہ چیز دیکھی ہے، وہ قال سے چلتے ہیں، قرآن کو پڑھتے ہیں، حدیث کو پڑھتے ہیں۔ یہ قال کس کا ہے؟ قرآن اللہ کا قال ہے اور حدیث آپ ﷺ کا قال ہے۔ اب بتائیے! کون ہے جو اس قال کے مقابلے میں اپنا قال لے آئے؟ کوئی نہیں لا سکتا۔ چاہے کوئی کتنا بڑا صوفی کیوں نہ ہو وہ اس قال (بات) کے مقابلے میں قال نہیں لا سکتا۔ اب میں ایک چیز کو دیکھ رہا ہوں یعنی دور سے مجھے ایک چیز نظر آ رہی ہے میں اس کو ایک چیز سمجھ رہا ہوں جب کہ وہ دوسری چیز ہے تو میرا دیکھنا غلط ہو گیا۔ یہی حساب کشف کا ہے کہ آپ کو کشف ہو گیا تو کشف میں غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن وحی میں غلطی

نہیں ہو سکتی۔ وحی اللہ پاک کے محفوظ نظام کے ساتھ آئی ہوئی ہے۔ تو جو چیز قرآن و حدیث میں ہے اس کا جو قائل ہو گا اس کا قول اولیٰ ہو گا بمقابلہ اس کے جو دیکھ کر کہہ رہا ہے۔ جب کہ اس کا دیکھنا بھی کامل نہ ہو، کیونکہ اللہ پاک کے دیکھنے سے زیادہ کامل کسی کا دیکھنا نہیں ہو سکتا۔ اور تمام مخلوقات میں آپ ﷺ کے دیکھنے سے زیادہ کامل کسی کا دیکھنا نہیں ہو سکتا۔

اس وجہ سے قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کسی کی بات نہیں چلے گی۔ قرآن و حدیث شریعت ہیں۔ اس وجہ سے اس مسئلہ میں ظاہری علوم قرآن و حدیث سے آتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا کشف ان ظاہری علوم کے عین مطابق ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ بڑا پہنچا ہوا ہے کیونکہ اس نے اپنے کشف سے اس چیز کو پا لیا جو علماء قال سے حاصل کر رہے ہیں۔ اس طرح ما شاء اللہ وہ تقلیدی علوم سے آگے تحقیقی علوم تک پہنچ گیا۔ تو اس مسئلہ میں پھر وہ آگے ہوتے ہیں، لیکن ہمارے لئے کم از کم ایک پیغام تو ہو گیا کہ ہم اس کو تحقیقی تب کہیں گے جب وہ قرآن و سنت کے مطابق ہو گا، یعنی اس کے ساتھ ملا ہو گا، اس کے ساتھ فرق نہیں ہو گا۔ چنانچہ ہم نے اپنے کشف اور اپنے حال کو قرآن و سنت پر پیش کرنا ہے، اگر ان کے مطابق ہے تو فَبِہَا، ٹھیک ہے، اور اگر اس کے مطابق نہیں ہے تو پھر رد ہے، کسی کام کا نہیں ہے۔ ہاں معذوری ضرور ہو سکتی ہے لیکن وہ کسی کام کا نہیں ہو گا۔

متن:

پس علماء کی نظر ان صوفیوں سے بلند ہوئی، اور اُن صوفیوں کے نزدیک جو ذاتِ حق ہے وہ ان علماء کے نزدیک ما سوا میں داخل ہے اور قرب و معیتِ ذاتی بھی اسی قیاس پر ہے۔ اور باطنی معارف اور شریعت کے ظاہری علوم کے درمیان اس حد تک پورے کامل طور پر موافقت کا ہونا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیزوں میں بھی مخالفت کی مجال نہ رہے صدیقیت کے مقام میں حاصل ہوتی ہے۔

تشریح:

یعنی جب انسان صدیقیت کے مقام تک پہنچ جائے تو وہ بات جو باقی لوگوں کو کشف سے حاصل ہوتی ہے وہ اس کو صدیقیت کے مقام سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً شاہ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، ان سے ایک بہت بڑے محدث بیعت ہوئے تو ان کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ کیسے ان سے بیعت ہوئے؟ یہ تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں، بالکل ان پڑھ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے با قاعدہ امتحان لیا ہے۔ امتحان ایسے لیا ہے کہ میں نے ایک لفظ عام عربی کا، ایک قرآن کا، ایک حدیث کا، ایک حدیث قدسی کا لیا، ان کو ملا کر ایک فقرہ بنا لیا پھر حضرت کے سامنے پیش کیا کہ حضرت یہ کیا چیز ہے؟ تو جو قرآن سے لیا گیا تھا اس پہ ہاتھ رکھ کر انہوں نے کہا کہ یہ قرآن ہے، جو حدیث سے لیا گیا تھا اس کے بارے میں کہا یہ حدیث ہے، جو حدیث قدسی سے لیا گیا تھا اس کے بارے میں کہتے ہیں: یہ میں نہیں جانتا کہ قرآن ہے یا حدیث ہے، لیکن درمیان میں کوئی چیز ہے۔ یعنی اتنے ان پڑھ تھے کہ وہ حدیث قدسی کا نام نہیں جانتے تھے۔ صرف یہ فرمایا: درمیان درمیان میں کوئی چیز ہے۔ اور جو عربی والا حصہ تھا، اس کے بارے میں فرمایا: یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔

حالانکہ عالم کے سامنے بھی اگر ایسا فقرہ رکھ دیا جائے تو وہ بھی اس میں فرق نہیں کر سکتا۔ مثلاً فرعون کا لفظ آپ قرآن سے لے لیں اور ایک بہت اچھا لفظ آپ عام عربی سے لے لیں اور پھر کوئی اور لفظ حدیث شریف سے لے لیں۔ اب وہ عالم فرق نہیں کر سکے گا کہ یہ قرآن ہے اور یہ حدیث ہے اور یہ عام عربی کا لفظ ہے۔ اور یہ فرق ظاہری علم کی بنیاد پر تو نہیں کر سکتے۔ یہ محدث بڑے حیران ہو گئے اور انہوں نے کہا: یہ تو کسی عالم کو بھی پتا نہیں چل سکتا، آپ کو کیسے پتا چل گیا کہ یہ اس طرح ہے۔ فرمایا بیٹا میں تو نہیں جانتا ہوں مجھے صرف قرآن کے نور کا پتا ہے حدیث کے نور کا پتا ہے اور وہ درمیان والی چیز تھی جو نہ قرآن تھا، نہ حدیث تھی لیکن درمیانی قسم کا نور تھا، اس کا نور قرآن و حدیث کے درمیان کا نور تھا۔ اور جو عام عربی کا لفظ تھا اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔

اب یہ ان کا اتنا زبردست مقام تھا کہ صحیح چیز سامنے آرہی تھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ چیز صدیقیت کے مقام میں حاصل ہوتی ہے۔

متن:

جو ولایت کے مقامات میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور صدیقیت کے مقام کے اوپر مقامِ نبوت ہے، جو علوم آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعے پہنچے ہیں وہ صدیق (رضی اللہ عنہ) کو الہام کے ذریعہ منکشف ہوئے ہیں۔ ان دونوں علموں (علمِ نبی و علم صدیق) میں وحی اور الہام کے فرق کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے تو پھر دونوں میں مخالفت کی کیا مجال ہو گی۔ اور مقامِ صدیقیت سے نیچے جو مقام بھی ہو گا اس میں ایک قسم کا سُکر پایا جائے گا، کامل صحو (پوری طرح ہوش) مقامِ صدیقیت میں ہے اور بس۔

تشریح:

در اصل ان مقامات کے اپنے انوارات ہوتے ہیں۔ ان انوارات میں انسان کا ہوش ختم ہو جاتا ہے۔ جب تک کوئی مقامِ صدیقیت تک نہ پہنچا ہو وہ اپنے ہوش کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں۔ صبح کے وقت جب سورج مسلسل چڑھ رہا ہوتا ہے تو کوئی اس کی طرف چھ منٹ تک دیکھ سکے گا، کوئی سات منٹ تک دیکھ سکے گا، کوئی آٹھ منٹ تک، کوئی دس منٹ تک، کوئی بارہ تک۔ ہر ایک کا مختلف وقت تک دیکھ سکنا نظر کے فرق کی وجہ سے ہے۔ اگر انسان کی اپنی نظر 6x6 ہے تو یہ کافی دیر تک دیکھ سکے گا، اگر اس سے کم ہے تو تھوڑی دیر کے لئے دیکھ سکے گا، کیونکہ انسان کی پتلیاں پھیل جاتی ہیں۔ جیسے کم نظر والا آدمی جو عینک نہ پہنے ہوئے ہو اور رات کے وقت گاڑی چلائے تو اسے روشنیاں پھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں، وہ پوائنٹ نظر نہیں آتا بلکہ ایک Diffused light نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی نظر میں جتنی پختگی ہے وہ نور کو اتنا زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔ لہٰذا جو مقامِ صدیقیت پر ہو گا اس کے اندر بڑی پختگی ہو گی اس لئے وہ انوارات کو برداشت کر سکتا ہے، نتیجتاً وہ ہوش میں رہتا ہے اور جو نہیں برداشت کر سکتا وہ جوش میں آ جاتا ہے تو جوش میں آنا اور ہوش میں رہنا بہت ہی مشکل بات ہے، اس کو یوں سمجھیں جیسے مثال کے طور

پر نور کم ہو تو کم نظر والا بھی کافی دیر تک دیکھ سکے گا، اور نور بہت زیادہ ہو تو اس کو تیز نظر والا بھی بہت کم دیکھ سکے گا۔ اسی طرح اگر انوارات کم ہوں تو عام لوگ بھی ہوش میں رہیں گے اور اگر انوارات بہت زیادہ ہوں تو بڑے بڑے لوگ بھی ہوش سے نکل جائیں گے۔ اور جو بہت بڑے مقام کے حامل لوگ ہیں وہی stable (مستحکم) رہیں گے۔

کہتے ہیں چُلو بھر پانی میں تنکا بھی تیرنے لگتا ہے اور بہہ جاتا ہے لیکن آبشار کے سامنے ہاتھی بھی نہیں ٹھہر سکتا اور اس میں بہہ جاتا ہے کیونکہ آبشار کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔

متن:

اور ان دونوں علموں کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ وحی کا حکم قطعی ہے اور الہام کا ظنّی، کیونکہ وحی فرشتے کے واسطے سے آتی ہے اور فرشتے معصوم ہیں اور ان میں خطا کا احتمال نہیں ہے، الہام اگرچہ بلند مقام رکھتا ہے جو کہ قلب ہے اور قلب عالم امر سے ہے لیکن قلب کا عقل اور نفس کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ثابت ہے اور نفس اگرچہ تزکیہ کے ساتھ مطمئنہ ہو گیا ہو لیکن، بیت

ہر چند کہ مطمئنہ گر دد ہر گز ز صفاتِ خود گردد

(**ترجمہ:** نفس گو مطمئنّہ ہو جائے خاصیت اپنی چھوڑتا ہی نہیں)

اس لئے اس مقام میں خطا کی گنجائش ظاہر ہو گئی۔

تشریح:

چونکہ وحی فرشتے کے ذریعے سے آرہی ہے اس لئے اس میں خطا کا احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتہ آپ ﷺ کے قلب پہ آیا اور باقی لوگوں نے اس کو لکھ لیا تو یوں document (تحریر) ہو گیا۔ اب میں بھی اس کو پڑھ سکتا ہوں، مجھے بھی اس پر اتنا یقین کرنا پڑے گا، جتنا آپ ﷺ کو یقین کرنا پڑا، کیونکہ یہ اصل چیز ہے اور اس کی حفاظت ہوئی ہے، لیکن جو میرے قلب پر وارد ہوا ہے تو میرے قلب کا وہ مقام نہیں ہے جو آنحضرت ﷺ کے قلب کا ہے اس لئے مجھ سے خطا ہو سکتی ہے، کیونکہ میرا

قلب حقیقتِ جامعہ ہے جس میں نفس کا بھی دخل ہے، عقل کا بھی دخل ہے اور روح کا بھی دخل ہے تو حقیقتِ جامعہ ہونے کی وجہ سے اس میں ظن کا پہلو پایا جائے گا۔ میں اس کو final (حتمی) بات نہیں سمجھ سکتا، final (حتمی) بات وہی ہے جو آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔ میں اپنی بات کو اس کے ساتھ tally (مطابق) کروں گا اگر tally (مطابقت) ہو گئی تو سبحان اللہ! بڑی اچھی بات ہے۔ نہیں ہوا تو بالکل رد ہے۔

متن:

جاننا چاہیئے کہ نفس کے مطمئنہ ہو جانے کے باوجود اس کی صفات کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے اور منافع ہیں، اگر نفس کو اس کی اپنی صفات کے ظہور سے بالکل روک دیا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا اور روح فرشتے کا حکم پیدا کر لے گی اور اپنے (ایک ہی) مقام میں بند ہو کر رہ جائے گی (کیونکہ) اس (روح) کی ترقی نفس کی مخالفت کے سبب سے ہے اگر نفس میں مخالفت نہ رہے تو (روح کو) ترقی کہاں سے ہو گی۔

تشریح:

جیسے راستے میں اگر موٹے موٹے پتھر پڑے ہوں تو آپ گاڑی چلا نہیں سکیں گے، گاڑی چلانے میں بڑی مشکل ہو گی۔ اور جب آپ کو یہ پتا چل گیا تو بڑے بڑے پتھر آپ نے نکال دیئے اور راستہ ہموار کر دیا۔ اب اگر آپ اس کو اتنا ہموار کر دیں کہ بالکل شیشہ ہی بن جائے تو یہ خوبی نہیں ہے۔ جیسے مری میں جب برف باری ہو جائے بالخصوص جب سردی کی وجہ سے سڑک پر پانی جم جائے تو گاڑی چلانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے، انجن کی ضرورت نہیں ہو گی اور بریک بھی نہیں لگے گی۔

اس کا مطلب ہے کہ بالکل آئینے کی طرح بنانا بھی ٹھیک نہیں ہے، تو آپ نے نفس کو tame تو کر لیا (یعنی سدھار تو لیا) لیکن اگر اس کی وہ صفات جو باقی رہنی چاہئیں وہ بھی آپ نے ختم کر دیں تو پھر مخالفت ہی نہیں ہو گی، نتیجتاً اجر نہیں ملے گا۔ لہٰذا جبلت والا حصہ قائم رہتا ہے۔ آپ انسان ہیں، انسان کو انسان ہی رہنا ہوتا ہے۔ آپ فرشتے نہیں ہیں اور آپ کی عظمت اسی میں ہے کہ آپ فرشتے نہیں ہیں۔ ورنہ آپ کے عمل

کی کوئی value (قیمت) نہیں ہو گی۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ کسی ملازمت پہ جائیں تو ابتداءً آپ کو کام سکھایا جاتا ہے، کام سکھانے والا بھی آپ کے ساتھ کام کرتا ہے، تاکہ آپ سیکھ جائیں، لیکن کیا یہ اس طرح مستقل طور پر رہ سکتا ہے؟ اگر وہی سب کچھ کر لے تو آپ کو کیا ملے گا؟ آخر آپ سے کہا جائے گا جناب آپ چلے جاؤ۔ جب کام میں نے ہی کرنا ہے تو آپ نے کیا کرنا ہے؟ آپ گھر میں بیٹھ جائیں۔ لہٰذا کام تو خود کرنا ہو گا۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ میرے سارے کام خود بخود ہی ہونے لگیں۔ نماز بھی خود بخود ہی ہوتی رہے، روزے بھی خود بخود ہی ہوتے رہیں، گرمی کے دن آ گئے تو کہیں گے دعا کرو کہ بس مجھے فجر کی نماز مل جائے۔ بھئی دعا کرنا تو ضروری ہے لیکن کیا آپ کو خود اس کے لئے کوشش کرنی چاہیئے یا نہیں کرنی چاہیئے؟ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر دعا کرو کہ میں کھانا کھا لوں اور اپنے سامنے سے لقمہ نہ اٹھاؤ، پتہ چل جائے گا۔ وہاں تو کسی کو دعا کے لئے نہیں کہتے۔ اس کا مطلب ہے کہ گڑبڑ ہے، آپ کام دوسرے پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

اس وقت پیری مریدی جو بد نام ہوئی ہے، اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ سارے لوگ پیر سے ایسی توقع کرتے ہیں کہ جو بھی میرا نقصان ہے در اصل وہ میرے پیر کا نقصان ہے اور جو فائدہ ہے وہ میرا ہے۔ یعنی میں ایسا باکمال آدمی ہوں۔ اب بے چارہ پیر کیا کرے۔ یعنی اگر مجھ سے گناہ ہو گیا تو یہ پیر کا قصور ہے، پیر نے مجھے کیوں نہیں پکڑا؟ حالانکہ یہ غلط سوچ ہے۔ پیر آپ کی صرف رہنمائی کر سکتا۔ باقی کام آپ نے خود کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ ﷺ سے فرمایا ہے تو باقی لوگوں کی کیا value (حیثیت) ہے۔ فرمایا: ہم نے آپ کو ان کے اوپر داروغہ نہیں بنایا، آپ تو صرف بتانے والے ہیں، بشیر و نذیر ہیں، سمجھانے والے ہیں، اس کے بعد یہ لوگ کام کریں گے تو ٹھیک ہے، نہیں کریں گے تو ﴿فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ (یونس: 102)

ترجمہ: "اچھا تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں"۔ یعنی آگے ان کو پتا چل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بڑی کھری کھری باتیں بتائی ہیں۔ لہٰذا پیری مریدی اس سے مستغنی نہیں ہے۔ اس لئے کام تو خود کرنا پڑے گا۔ ہاں یہ

بات ہے کہ پیر کا کام ہے طریقہ سکھانا اور طریقہ بھی آسان سکھانا۔ یعنی کئی طریقوں میں جو سب سے آسان طریقہ ہو وہ سکھانا۔ کیونکہ اس کا تجربہ ہوتا ہے اور تجربے کی اپنی ایک اہمیت ہے۔

فرض کریں اگر آپ software کے کام سے متعلق لوگ ہیں، کوئی آدمی پھنس جائے اور آپ کے پاس مسئلہ لے آئے تو آپ ان کو ایک آسان طریقہ بتا دیتے ہیں۔ ایک آسان حل دے دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ آپ کیا کر سکتے ہیں؟ کام دوسروں کو خود کرنا ہے۔ تو پیری مریدی میں بھی یہی بات ہے کہ آپ کو آسان حل مل جائے گا۔ لیکن کام خود ہی کرنا پڑے گا۔

ایک صاحب جو کسی فوج میں انجینئرنگ کے کاموں کے کنٹرکٹ پہ تھے، انہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ ان کے افسر ان سے بات کر رہے تھے کہ یہ فلاں سڑکیں ہیں یہ بنالیں گے تو اگر فلاں وادی پہ قبضہ ہو جائے تو پھر کیا کریں گے؟ تو انہوں نے کہا: سر آپ ادھر سے اس دوسری سڑک کو استعمال کر سکیں گے۔ اس نے کہا: وہاں پر بھی اگر قبضہ ہو جائے؟ انہوں نے کہا: پھر دریا میں یہاں Shallow path (کم گہرے پانی والی جگہ) ہے تو یہاں سے پھر آپ ایڈوانس (پیشرفت) کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا یہاں پر بھی اگر رکاوٹ آ جائے تو؟ انہوں نے کہا: Sir, then you have to fight پھر کچھ تو کرنا پڑے گا، یعنی یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں پہلے سے ہی سارا کچھ بندوبست کر لوں بس آپ کو خود کچھ کرنا ہی نہیں پڑے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگوں کو کچھ تو کرنا پڑے گا۔ طریقۂ کار بتایا جا سکتا ہے. جتنا ممکن ہو سکتا ہے بتایا جائے گا؛ لیکن بہر حال کچھ تو قید و بندشیں ہوں گی اور یہ limitations (قید و بندش) ہی کمال ہے۔ امتحان اسی limitations (قید و بندش) میں ہے۔ آپ کا پیپر ان limitations پہ محدود ہے۔

آرمی میں جو I.S.S.B میں selection (انتخاب) ہوتی ہے تو وہ obstacles (رکاوٹیں) ڈیزائین کرتے ہیں اور انہی میں آپ نے رستہ نکالنا ہوتا ہے۔ اب اگر آپ انہیں کہہ دیں کہ میرے لئے یہ obstacles (رکاوٹیں) نہ لگاؤ تو پھر آپ کا کیا ٹیسٹ لیا جائے گا؟ یہی تو ٹیسٹ ہے، نتیجتاً وہ کہیں گے obstacle لگانا ہمارا کام ہے اور اس سے

نکلنا تمہارا کام ہے۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنا اپنا کام کرنا ہوتا ہے۔

متن:

سرورِ کائنات علیہ من التحیات اتمھا و من التسلیمات اکملہا جب کفار کے جہاد سے واپس تشریف لاتے تو فرماتے "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" (یعنی ہم نے جہادِ اصغر (قتال بالکفار) سے جہادِ اکبر (جہادِ نفس) کی طرف رجوع کیا) آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد میں نفس کے جہاد کو جہادِ اکبر فرمایا۔

تشریح:

جہاد اکبر کیوں فرمایا؟ اس پر لوگ بہت تلملا اٹھتے ہیں کہ وہ لڑائی جہاد اکبر نہیں ہے تو نفس کے خلاف جہاد اکبر کیوں ہے؟ در اصل وجہ یہ ہے کہ لڑائی کتنی دیر ہوتی ہے؟ اس وقت پاکستان اور ہندوستان کی کتنی جنگیں ہوئیں، چھوٹی موٹی ملا کر چھ یا سات۔ تو باقی سارے وقت میں کیا ہوا ہے؟ باقی وقت میں ٹریننگ ہے، محنتیں ہیں اور تیاری ہے۔ اسی طریقہ سے application (اطلاق) کا وقت تو تھوڑا ہوتا ہے اور اس کی prepareation (تیاری) کا وقت زیادہ ہوتا ہے، alertness (چوکنا پن) ہوتی ہے۔ مثلاً ایک چوکیدار کھڑا ہے، پورا دن اس کو watch (مشاہدہ) کریں وہ کچھ بھی نہیں کر رہا ہوتا۔ اس سے پوچھیں آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ کہے گا میں دیکھ رہا ہوں بس، اور یہ دیکھنا ہی اس کا کام ہے۔ اب جب کوئی واقعہ ہونے والا ہو تو آنے والا اس کو بتا کر تو نہیں آئے گا کہ میں آرہا ہوں تم چوکنے ہو جاؤ۔ وہ تو کسی وقت بھی آ سکتا ہے، اگر یہ اس وقت چوکنا نہیں ہو گا تو یہ مجرم بن جائے گا، اس سے پوچھا جائے گا: تم چوکنے کیوں نہیں رہے؟ وہ کہتا ہے جی سات گھنٹے میں چوکنا تھا درمیان میں ایک گھنٹہ کے لئے گیا ہوں تو کیا ہو گیا؟ وہ کہیں گے: یہی تو کام ہے آپ کا۔ یہ جہاد اکبر ہے، کیونکہ آپ نے مسلسل alert (چوکنا) رہنا ہے، Subject to condition (حالات کے مطابق)۔

میں اس کی دوسری مثال دیتا ہوں۔ آپ نے وزن اٹھانا ہے۔ پانچ منٹ کے لئے 20 کلو وزن آپ نے اٹھا لیا۔ آپ نے اس کو سر پر رکھا، یہ ممکن ہے، کوئی مسئلہ نہیں

ہے، دس منٹ کے لئے بھی رکھ سکتے ہیں، پندرہ منٹ رکھ سکتے ہیں، آدھا گھنٹہ بھی رکھ سکتے ہیں، یہ سب ہو جائے گا۔ لیکن دو کلو کا وزن جب آپ دس کلو میٹر لے جائیں گے تو آپ کس چیز سے زیادہ تنگ ہوں گے؟ اس 20 کلو وزن سے یا دو کلو وزن سے؟ یقیناً دو کلو وزن سے۔ کیونکہ continous ہے۔ اس میں آپ کے لئے وقفہ نہیں ہے۔ تو یہ نفس کے ساتھ مقابلہ ہر وقت کا ہے یہ اصل مقابلہ اور کام ہے۔ اس میں کسی بھی وقت وقفہ نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ایک زبردست قسم کی مثال آئی ہے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ"۔ اس میں "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" تو اللہ پاک کے پاک نام ہیں۔ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ تیری رحمت کے واسطہ سے میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ میری ساری حالتوں کو درست کر دے۔ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ اور ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ فرما۔ واقعی ایک لمحہ کے لئے بھی اگر کوئی نفس کے حوالہ ہو گیا تو کچھ بھی کر سکتا ہے، قتل بھی کر سکتا ہے، زنا بھی کر سکتا ہے، دھوکا بھی کر سکتا ہے، ظلم بھی کر سکتا ہے، پتا نہیں کیا کیا کر سکتا ہے۔ وہ ایک لمحہ ہی ہوتا ہے، اس لمحہ میں انسان بہک جاتا ہے، پھر بعد میں بے شک واپس آجائے، لیکن وہ جو بہکا ہوتا ہے اس کے consequences تو ہوتے ہیں، وہ تو اپنے اثرات رکھتے ہیں آپ ایک آدمی کو تھپڑ ماریں اور کہہ دیں کہ معذرت! غلطی ہو گئی۔ وہ آپ کو تھپڑ مار کے کہتا ہے مجھ سے بھی غلطی ہو گئی۔ لہٰذا سارے consequences تو اس کے ہوں گے۔ جو چیز آپ کریں گے تو اس کے مقابلہ میں کوئی کچھ تو کرے گا۔ چنانچہ مسلسل alert رہنا اور مسلسل اپنے آپ کو جرم سے اور گناہ سے بچانا، یہ بڑا کام ہے، اس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

متن:

اور اس مقام میں نفس کی مخالفت عزیمت اور اولیٰ کے ترک کرنے میں ہے بلکہ حتی الامکان اس ترکِ عزیمت کا ارادہ کرنے میں ہے کیونکہ اس مقام میں نفس کی مخالفت ترکِ عزیمت کے تحقق و ثبوت سے نا ممکن ہے اور اسی ارادہ کی وجہ سے اس

کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں اس قدر ندامت و پشیمانی، التجا اور آہ و زاری حاصل ہوتی ہے کہ ایک سال کا کام اس کو ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا ہے۔

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں، یہ بات (شرعی اور عقلی طور پر) مقرر و ثابت ہے کہ جس چیز میں محبوب ﷺ کے اخلاق و عادات پائے جائیں محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب ہو جاتی ہے اور آیتِ کریمہ ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: 31) (یعنی تم میری پیروی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے) میں اس رمز کا بیان ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی متابعت میں کوشش کرنا مقامِ محبوبیت تک لے جانے والا ہے پس ہر عقل مند سمجھ دار شخص پر واجب ہے کہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوۃ و السلام کی کامل طریقے پر اتباع کرے۔

تشریح:

یعنی آپ ﷺ کی اتباع ہی مطلوب ہے اور نفس کی مخالفت اسی اتباع کے کرنے میں ہے، کیونکہ نفس اتباع کرنے سے روکتا ہے، تو اپنے نفس کے اوپر پیر رکھ کر آپ نے آپ ﷺ کی اتباع کرنی ہے۔

متن:

مکتوب نمبر 44 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن: حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں اور قیامت کے روز آپ ﷺ کے تابع و فرماں بردار تمام انبیائے کرام کے تابع و فرماں برداروں سے زیادہ ہوں گے، اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب اولین و آخرین سے زیادہ بزرگ و معزز ہیں آپ ﷺ قیامت کے روز سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے اور آپ ﷺ ہی سب سے اول شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ ﷺ ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دے گا اور آپ ﷺ ہی قیامت کے روز لواء حمد (اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کا جھنڈا)

اٹھانے والے ہیں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور وہ آپ علیہ الصلوۃ و السلام ہی کی ذات گرامی ہے جس نے فرمایا: "نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (الحدیث) یعنی قیامت کے دن ہم ہی (وجود و ظہور کے اعتبار سے) آخرین ہیں اور ہم ہی (مرتبہ و روز قیامت قبر سے اٹھنے کے اعتبار سے) سابقین و اولین ہیں)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ بات بغیر کسی فخر کے کہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور میں تمام انبیاء و مرسلین کا قائد و پیش رو ہوں اور بلا فخر کہتا ہوں کہ میں تمام نبیوں کا خاتم (مہر اور آخری نبی) ہوں اور میں بلا فخر کہتا ہوں کہ میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھ کو سب سے بہتر مخلوق (یعنی انسان) میں پیدا کیا پھر ان کو دو گروہ (عرب و عجم) بنایا اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں بنایا پھر ان کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں بنایا پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین گھر میں پیدا کیا پس میں ذات و گھر کے لحاظ سے سب مخلوق سے بہتر ہوں اور جب قیامت کے روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں (قبر سے) باہر نکلوں گا اور جب تمام بنی آدم حق تعالیٰ کے سامنے گروہ در گروہ پیش ہوں گے تو میں ان سب کا قائد و رہنما ہوں گا اور جب وہ سب خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ (جنت میں داخل ہونے سے میدان حشر میں) روک دیئے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا اور جب وہ (دیگر انبیاء علیہم السلام کے جوابوں سے) نا امید ہو جائیں گے تو میں ان کو (شفاعت کی) بشارت دینے والا ہوں گا اور اس دن کرامت (رحمت و بزرگی) اور جنت (کے دروازوں) کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواءِ حمد بھی میرے ہاتھ میں ہو گا اور میں اپنے رب کے نزدیک تمام اولادِ آدم میں سب سے بزرگ ہوں ہزار ایسے خادم (حور و غلمان) میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار سفید صدف کے اندر چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے اور جب قیامت کا دن ہو گا تو میں تمام انبیائے کرام علیہ السلام کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات پر فخر نہیں ہے۔

تشریح:

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

متن:

اگر حضور انور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ذات گرامی صفات نہ ہوتی تو حق سبحانہ و تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی ربوبیت (رب ہونے کو) ظاہر نہ فرماتا اور آپ ﷺ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے پتلے کے لئے کیچڑ تیار ہوئی تھی)۔

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیشرو

نہیں ہے خوف کچھ عصیاں کا اس کو
محمد ﷺ پاک جس کا پیشوا ہو

پس بلا شک و شبہ سید البشر علیہ الصلوٰۃ و السلام کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے افضل ہیں۔ آیت: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔۔۔﴾ (آل عمران:110) (یعنی تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئیں)۔ ان پر صادق آتی ہے اور اس پیغمبر علیہ الصلوۃ و السلام کے جھٹلانے والے بنی آدم میں سب سے بد تر ہیں۔ آیت: ﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا۔۔۔﴾ (التوبہ: 97) (یعنی صحرا نشین لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں) ان کے حال کا پتہ دیتی ہے۔ دیکھئے کس خوش نصیب کو آنحضرت ﷺ کی روشن و بلند سنت کی پیروی نصیب فرماتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی پسندیدہ شریعت کی پیروی سے سرفرازی بخشتے ہیں۔

تشریح:

میں نے الحمد للہ بغیر کسی تشریح کے کافی ساری عبارت پڑھ لی اور میرے خیال میں آپ سب نے سن اور سمجھ بھی لی ہے۔ اس میں کوئی تشریح کی بات نہیں ہے۔

بالکل واضح بات ہے کہ آپ ﷺ کی تعریف ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کا تعارف ہو رہا ہے اور آپ ﷺ کی زبان سے ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں اور اس کے لئے کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ اللہ پاک کے محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسے ہی پیدا فرمایا۔

اب دیکھو ایک طرف پوری زمین ہے لیکن خانہ کعبہ والا تھوڑا سا حصہ تمام جگہوں سے سجدہ کے لحاظ سے اہم ہے؛ کیونکہ اس کی طرف رخ کر کے سجدہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک طرف پوری زمین ہے لیکن جہاں پر آپ ﷺ دفن ہیں وہ زمین عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ حالانکہ اس زمین نے کچھ نہیں کیا، محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں آپ ﷺ دفن ہیں۔ لہذا جب اللہ پاک کسی چیز کو کسی خاص طریقہ سے بنا دیں تو اس کے بعد پھر اس میں کوئی سوال نہیں رہتا کہ اس کے بارے میں ہم بحث کریں کہ ایسا کیوں ہے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔یہاں پر بھی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا بالکل ایسا ہی ہے۔

اب اصل بات کیا ہے؟ اس سے ہم نتیجہ کیا نکالتے ہیں؟ نتیجہ یہ نکالیں گے کہ یہ اللہ پاک کے اتنے محبوب نبی ﷺ ہیں تو ان کا قول، ان کا فعل، ان کا طریقہ اللہ کو کتنا محبوب ہو گا۔ جب یہ بات سمجھ آگئی تو جس کو ہم سنت کہتے ہیں، جو آپ ﷺ ہی کا طریقہ ہوتا ہے۔ وہ باقی تمام اعمال سے کتنا محبوب ہو گا؟ اس کے مقابلہ میں باقی کام کیسے فضول ہوں گے! اب ان چیزوں کو سمجھتے ہوئے ہم کوئی اور کام کیوں کریں جب آپ ﷺ کی سنت موجود ہو۔

اگر میں کہوں کہ آپ ﷺ کی سنت مشکل ہے پھر تو آپ کو بولنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اگرچہ وہ بھی غلط ہو گا۔ لیکن بہر حال تھوڑا بہت آپ بول لیں گے۔ لیکن اگر وہ طریقہ سب سے زیادہ آسان بھی ہو تو پھر کیا وجہ ہے؟ کیونکہ سنت میں یہ خاصیت ہے کہ آپ ﷺ نے جب کوئی کام کرنا ہوتا تھا تو اس کے جتنے بھی راستے ہوتے ان میں سب سے آسان راستے کو چن لیتے۔ لہذا وہ سب سے آسان کام ہوتا ہے۔ ایک تو یہ روش ہے کہ کام ہی نہیں کرنا، اس میں تو کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر کام کرنا

ہے تو اس کام کے کرنے میں جتنے بھی راستے ہوں گے اور طریقے ہوں گی، ان میں سب سے آسان طریقہ آپ ﷺ کا ہو گا۔

مثلاً شادی کو لے لو، نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق شادی کرو یا اپنی رسومات کے مطابق کرو، کون سا آسان ہو گا؟ سنت کا طریقہ آسان ہو گا۔ اسی طرح کپڑوں کو لے لو، بیٹھنے کو لے لو، سونے کو لے لو، ملنے کو لے لو۔ لہذا جو بھی طریقہ آپ ﷺ کا ہے وہ سب سے زیادہ آسان ہو گا۔ اگر کوئی مشکل ہے تو وہ ہمارے رواج کی مشکل ہے، understanding کی مشکل ہے۔ اس کی میں آپ کو بہترین مثال یہ دے سکتا ہوں کہ پہلے زمانے میں Teddy fashion ہوا کرتا تھا۔ اس میں اتنے تنگ و چست کپڑے ہوتے تھے کہ پورا جسم بالکل ایک تیر کی طرح بنتا تھا اور بوٹ نوک دار ہوتے تھے۔ مرد و عورت سب اسی میں مبتلا تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے اس کو بالکل نہیں اپنایا تھا۔ ہم ایسے ہی تھے جیسے اب ہیں۔ لیکن بہر حال ایک وقت میں لوگ اس میں مبتلا تھے اور جب وہ فیشن گزر گیا تو یقین جانئے، وہ پہلے والے جوتے اور کپڑے بالکل چوڑھوں کے جوتے نظر آتے تھے۔ لوگ اس سے اتنی نفرت کرتے تھے کہ یہ بھی کوئی چیز ہے جسے ہم پہنتے تھے؟ اب یہ کیا چیز تھی؟ ایک رواج تھا، فیشن تھا۔ بس فیشن ایسی عجیب چیز ہے کہ مثلاً اگر انسان پر کجی طاری ہو جائے تو اس کا ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جیسے dirt (گند) یا dirty (گندہ) پسندیدہ الفاظ نہیں ہیں۔ آپ انٹرنیٹ پر دیکھ لیں یہ جو شیطانی لوگ ہیں، وہ اپنے آپ کو خود dirty (گندے) کہتے ہیں، گندی چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔ اب اس کی کیا logic (تُک) ہے؟

آپ یقین کریں کہ شرابی کی اتنی بدبو ہوتی ہے کہ جو شرابی نہ ہو وہ شرابی کے قریب سے گذر بھی نہیں سکتا، لیکن جو پیتا ہے وہ اسی میں غرق ہوتا ہے۔ ہم بڑے suited booted لوگوں کو جرمنی میں دیکھتے تھے، جب ہم صبح کے وقت نماز کے لئے جاتے تھے، تو وہ صبح کے وقت pub (شراب خانے) سے آ رہے ہوتے تھے اور نشے کی حالت میں ہوتے تھے اور کوئی نہ کوئی ان کے ساتھی ان کے ساتھ ہوتے تھے، کوئی خود اپنے آپ کو نالی میں ڈال رہے ہوتے تھے اور کے ساتھی ان کو بچا رہے ہوتے

تھے۔ کبھی ٹرین میں جا رہے ہوتے تو ایک آدمی نشہ میں ہے، دوسرا آدمی اس کے ساتھ ہے، تو وہ جو حرکتیں کرتا تھا ساتھ والا بھی اسے انجوائے کرتا تھا، لیکن باقی لوگ اسے Sorry he is sick, sorry he is sick کہتے تھے۔

عقل اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا تحفہ اور یہ شراب انسان کی عقل کو ہی ختم کرتی ہے۔ جو شراب پیتا ہے گویا وہ از خود اپنی عقل ختم کرتا ہے۔ شرابی کے الفاظ بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ چلنے پھرنے کا سٹائل، بولنے کا سٹائل بھی عجیب ہوتا ہے۔ آدمی ایک عجیب الخلقت بن جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کو پسند کرتے ہیں۔

اگر ایسی بات ہے تو پھر میں کہوں گا کہ یہ تو ابھی کچی ہے۔ لیکن اگر آپ صحیح فطرتی انداز میں دیکھیں تو سنت آپ کو انتہائی پسندیدہ ملے گی۔ اس میں صفائی بھی ہے، ستھرائی بھی ہے، پاکی بھی ہے، اچھائی بھی ہے، آسانی بھی ہے، خوبصورتی بھی ہے، سب کچھ ہے۔ پھر بھی اگر کوئی نہ لے تو وہ بد بخت ہے۔ اس کو بد بخت نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔

متن:

آج آنحضرت ﷺ کے دین کے بر حق ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے تھوڑا سا عمل بجالانا بھی عمل کثیر کے برابر شمار ہوتا ہے۔ اصحاب کہف (رضی اللہ عنہم) نے یہ اعلیٰ درجات صرف ایک ہی نیکی کے ذریعے سے حاصل کئے ہیں اور وہ نیکی یہ تھی کہ وہ دشمنانِ دین کے غلبہ کے وقت نورِ ایمان ویقین کے ساتھ حق تعالیٰ کے دشمنوں (کے مقام) سے ہجرت کر گئے تھے۔ مثلاً دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر سپاہی تھوڑا سا بھی تردد کرے تو وہ اس قدر نمایاں اور معتبر ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اس سے کئی گنا تردد بھی معتبر نہیں ہوتا۔

نیز چونکہ آں سرور عالم ﷺ رب العالمین کے محبوب ہیں اس لئے آپ کی متابعت کرنے والے بھی آپ کی متابعت کے باعث محبوبیت کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محبت کرنے والا (محب) جس شخص میں اپنے محبوب جیسے اخلاق و عادات دیکھتا ہے اس شخص کو بھی اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ شعر

محمد ﷺ عربی کا بروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

محمد ﷺ عربی دو جہاں کی عزت ہیں
جو منکر آپ کے ہیں مبتلائے ذلت ہیں

اگر ظاہری ہجرت میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو پوری طرح مد نظر رکھنا چاہیئے مخلوق کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہیئے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور امر (راستہ) پیدا فرما دے گا۔

تشریح:

اس کے لئے حضرت نے "خلوت در انجمن" کا لفظ فرمایا ہے، یعنی لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے لوگوں میں نہ رہنا۔

متن:

دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے مطلوب ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کی متابعت کی اہمیت کے بارے میں مرزا بدیع الزماں کو مکتوب نمبر 74 میں نصیحت فرماتے ہیں۔

متن: باقی نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوۃ و السلام کی متابعت لازم پکڑیں کیونکہ آخرت کی نجات آپ کی متابعت کے بغیر محال ہے۔ اور دنیا کی زیب و زینت کی طرف التفات و توجہ نہ کریں اور دنیا کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کو کوئی اہمیت نہ دیں (یعنی ان دونوں حالتوں کو یکساں جانیں) کیونکہ دنیا اللہ تعالیٰ کی مبغوضہ (ناپسندیدہ و مکروہ) ہے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر و منزلت کچھ بھی نہیں۔ پس بندوں کے نزدیک اس کا عدم (یعنی نہ ہونا) اس کے وجود (یعنی ہونے) سے بہتر ہونا چاہیئے اور اس کی بے وفائی اور جلدی جاتے رہنے (یعنی دولت کے زوال) کے قصے مشہور ہیں بلکہ مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ پس اہلِ دنیا کے حال سے عبرت حاصل کریں جو پہلے گذر چکے ہیں۔

تشریح:

میں صحیح بات عرض کرتا ہوں کہ جن چیزوں پہ ہم بڑا فخر کرتے ہیں کہ دنیا کی وہ چیزیں ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ حالانکہ وہ ہمارے ہاتھ میں ہیں ہی نہیں۔ جب اللہ رکھے تو ہوں گی اور جب نہ رکھے تو نہیں ہوں گیں۔

بالاکوٹ کا اور آزاد کشمیر کا جو سخت زلزلہ آیا تھا۔ میں ادھر گیا تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے وہ حالات دیکھے تھے۔ یہ حالات تھے کہ پانچ منٹ پہلے ایک آدمی ارب پتی ہے اور پانچ منٹ کے بعد اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ اس کے پلازے، سٹور، ساری چیزیں گر گئیں۔ سب ختم ہو گیا۔ خود بچ گیا یہ بھی بڑا شکر ہے۔ اس وجہ سے میں کہتا ہوں کہ انسان کے بس میں کچھ نہیں ہے۔ عزت کیا ہے؟ کسی کی عزت کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے۔ دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔

متن:

ان ہی کو مکتوب نمبر 75 میں ارشاد فرماتے ہیں!

متن: دونوں جہان کی سعادت کی دولت سید کونین علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت پر وابستہ ہے (جب کہ وہ متابعت) اس نہج (طریق) پر ہو جس کو اہل سنت و الجماعت کے علماء نے بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کی کوششوں کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ سب سے پہلے اپنے عقیدوں کو ان بزرگوں کی صحیح آراء کے مطابق درست کرنا چاہیئے۔ پھر حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مستحب اور مباح و مشتبہ کا علم حاصل کرنا چاہیئے (یعنی علم فقہ حاصل کرنا چاہیئے) جو ان سب امور کا متکفل ہے، اور اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ ان اعتقادی و عملی دو بازوؤں (پروں) کے حاصل ہو جانے کے بعد اگر سعادت ازلی مدد فرمائے تو عالم قدس کی طرف پرواز حاصل ہو جاتی ہے۔

وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) اور کمینی دنیا اس لائق نہیں ہے کہ اس کو اصلی مطالب میں سے شمار کریں اور اس کے مال و جاہ کے حاصل ہونے

کو اصلی مقاصد سے خیال کریں بلند ہمت ہونا چاہئے اور حق سبحانہ و تعالیٰ سے بوسیلہ یا بے وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہئے۔ ع

کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ

(ترجمہ: کام اصلی ہے یہی باقی ہیچ ہے)

تشریح:

اس میں ایک اہم بات یہ ہے کہ خط کشیدہ حصے (ان اعتقادی و عملی دو بازوؤں (پروں) کے حاصل ہو جانے کے بعد اگر سعادت ازلی مدد فرمائے تو عالم قدس کی طرف پرواز حاصل ہو جاتی ہے) میں معرفت کا بیان ہے۔

متن:

اور عروج کو عقائد کی درستگی اور شریعت پر عمل کے ساتھ مشروط فرمایا ہے پس ان دو چیزوں سے غافل معرفت کے دہلیز پر کبھی قدم نہیں رکھ سکتا، اس لئے کم از کم مبتدی کو تو ان چیزوں کے علاوہ کسی اور طرف دیکھنا نہیں چاہئے. جب اللہ تعالیٰ کسی کے ان مساعی کو قبول فرمائے گا تو خود بخود معرفت کے دروازے اس کے لئے کھل جائیں گے۔

تشریح:

یعنی جس وقت وہ عبدیت اختیار کرے گا، اللہ کی بندگی اختیار کرے گا تو بندگی کے ساتھ ہی اس کے قلب کی آنکھیں روشن ہونے لگتی ہیں. پھر اس کے بعد وہ دیکھنا شروع کر دیتا ہے. اس کو نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔کیونکہ نفس کی گندگی دور ہونے سے ہی دل کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو دل کی آنکھیں بند ہوں گی. آپ کے سامنے بیشک بہت ساری چیزیں آ جائیں تو آپ کیا کریں گے آپ کے لئے تو کچھ بھی نہیں. اگر اندھے کو چمن میں لے جائیں تو اس کو تو چمن میں کچھ نظر نہیں آئے گا۔

متن:

مکتوب نمبر 78 میں اس بات کو مزید بڑھاتے ہیں "سفر در وطن" جو ایک نقشبندی

اصطلاح ہے، اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

متن: "سفر در وطن" مشائخ خاندان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین کے مقررہ اصولوں میں سے ہے۔ اس سفر کی چاشنی اس طریق میں ابتدا ہی میں میسر ہو جاتی ہے اور اندراج النہایت فی البدایت (ابتدا میں انتہا کے درج ہونے) کے طریق پر حاصل ہو جاتی ہے۔ (کارکنان قضا و قدر) اگر اس گروہ میں سے کسی جماعت کو مجذوب سالک بنانا چاہتے ہیں تو بیرونی (یعنی آفاقی) سیر میں ڈال دیتے ہیں اور اس سیر آفاقی کے تمام (مکمل) ہونے کے بعد سیر انفسی میں کہ جس سے مراد سفر در وطن ہے کچھ آرام دیتے ہیں۔ مصرع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد

(**ترجمہ:** بڑی اعلیٰ ہے دولت دیکھئے اب کسی کو ملتی ہے)

مصرع:

هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

(**ترجمہ:** مبارک نعمتیں جنت کی ہوں ارباب جنت کو)

اس نعمت عظمیٰ تک پہنچنا سیدِ اولین و آخرین علیہ و علی آلہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کی اتباع سے وابستہ ہے جب تک اپنے آپ کو پوری طرح شریعت میں گم نہ کریں اور اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے رک جانے کے ساتھ پوری طرح آراستہ نہ ہو جائیں اس دولت و نعمت کی خوشبو جان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی۔

شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو، احوال و مواجید حاصل ہو جائیں تو (وہ سب) داخل استدراج ہیں۔

تشریح:

اگر کسی کو توجہ کی قوت مل جائے اور پوری مسجد کو ہلا دے تو کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اگر وہ شریعت پر نہیں چلتا تو یہ استدراج ہے۔ شریعت پر چلے اور کچھ بھی حاصل نہ ہو،

پھر بھی اس کے پاس سب کچھ ہے۔ یہی اصل میں بنیادی باتیں ہیں، جن کی طرف آج کل لوگوں کا دھیان نہیں۔

متن:

آخر کار اس کو رسوا و ذلیل کریں گے۔ **محبوب رب العالمین علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلھا ومن التحیات اکملھا** کی اتباع کے بغیر خلاصی (عذاب آخرت سے رہائی) ممکن نہیں ہے چند روزہ زندگی کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں مشغول رکھنا چاہیئے۔ یہ کیا زندگی اور کون سا عیش ہے کہ اس شخص کا مولیٰ (آقا) اس کے فعل سے ناراض ہو۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اس کے تمام کلی و جزئی حالات پر مطلع اور حاضر و ناظر ہے، شرم کرنی چاہیئے۔

مکتوب نمبر 114 میں اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

آپ ﷺ کی پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ تمام دنیاوی لذات اور اخروی تنعمات سے مرتبہ میں کہیں زیادہ بڑھ کر ہے، تمام فضیلت آنحضرت ﷺ کی روشن سنت کی تابع داری پر وابستہ ہے، اور تمام بزرگی احکامِ شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دوپہر کا سونا (قیلولہ) اگر اتباعِ سنّت کی نیت سے ہو کروڑوں شب بیداریوں سے، جو آنحضرت ﷺ کی متابعت میں نہ ہوں، اولیٰ و افضل ہے اسی طرح عید الفطر کے دن میں کھانا (یعنی روزہ نہ رکھنا) جس کا کہ شریعتِ مصطفوی میں حکم ہے، خلافِ شریعت تمام عمر روزے رکھنے سے افضل ہے اور شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق ایک چیتل (دام، پیسہ) دینا اپنی خواہش سے، سونے کے پہاڑ خرچ کرنے سے بہتر و افضل ہے، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز صبح کی نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد صحابہ کی طرف دیکھا تو ان میں ایک شخص کو حاضر نہ پایا، دریافت کرنے پر حاضرین نے عرض کیا کہ وہ شخص تمام رات عبادت کرتا ہے شاید اس وقت آنکھ لگ گئی ہو۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص تمام رات سوتا رہتا اور صبح کی نماز

باجماعت ادا کر لیتا تو (اس کے لئے تمام رات عبادت کرنے سے) بہتر تھا۔ گمراہ لوگوں (اہل ہنود وغیرہ) نے اگرچہ ریاضتیں اور مجاہدے بہت کئے ہیں لیکن چونکہ وہ شریعتِ حقہ کے موافق نہیں ہیں اس لئے بے اعتبار اور بے حیثیت ہیں۔ اگر ان (گمراہ لوگوں کے) اعمالِ شاقہ پر کچھ اجر ثابت بھی ہو تو وہ صرف بعض دنیوی منافع پر منحصر ہے، جب پوری دنیا ہی کچھ حیثیت نہیں رکھتی تو اس کے کسی منافع کا کوئی کیا اعتبار کرے۔ ان کی مثال ایسے خاکروب کی طرح ہے جس کی محنت سب سے زیادہ اور مزدوری بہت کم ہے اور شریعت کے تابع داروں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو قیمتی جواہرات اور عمدہ عمدہ ہیروں کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ ان کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے، (سنّت کے موافق) ایک ساعت کا عمل ہو سکتا ہے کہ اجر میں ایک لاکھ برس کے نیک عمل کے برابر ہو۔ اس میں راز یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کا پسندیدہ ہوتا ہے اور جو خلاف شریعت ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کا ناپسندیدہ۔ پس ناپسندیدہ اعمال کی صورت میں ثواب کی کہاں گنجائش ہے بلکہ عذاب متوقع ہے۔ اس حقیقت کی عالمِ مجاز میں نظیر موجود ہے جو تھوڑی سی توجہ سے واضح طور پر سمجھ میں آ جاتی ہے۔ بیت

ہرچہ گیرد علّتی علّت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

(ہر چیز ہے مضر جو کبھی ساتھ دے مریض، کافر ولی ہے اس کو پکڑ لے اگر ولی)

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنّت کی پیروی میں ہے اور تمام فسادات کی جڑ شریعت کی مخالفت کرنا ہے۔

تشریح:

اس میں حضرت سمجھا رہے ہیں کہ سنت پر عمل چاہے کتنا ہی آسان ہو وہ ان مشکل اعمال کے مقابلے میں پسندیدہ ہے جو کہ مسنون نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہم سے عبدیت چاہتے ہیں، محض ہماری تکلیف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ نہیں۔

رسول ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے لیکن بعض دفعہ سُکر میں بعض بزرگوں سے ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں جن سے ان دونوں میں فرق محسوس ہوتا ہے تو حضرت مکتوب نمبر 152 میں اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں

متن:

ہاں بعض مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سُکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے ایسی باتیں کہی ہیں جو ان دو اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتی ہیں اور ایک کی محبت کو دوسرے کی محبت پر ترجیح دینے کی خبر دیتی ہیں (جیسا کہ) منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا اپنی بادشاہت کے دوران "خرقان" کے نزدیک ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں سے اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت شیخ اس (سلطان) کی ملاقات کو آئیں۔ اور اپنے وکیلوں سے کہہ دیا کہ اگر شیخ سے اس معاملہ میں توقف محسوس ہو تو یہ آیت: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: 59) (اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی اور ان کی جو تم میں سے حکمران ہوں) ان کے سامنے پڑھیں۔ (چنانچہ) جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف محسوس کیا تو آیت کریمہ ان کے سامنے پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ أَطِيعُوا اللَّهَ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کی اطاعت سے شرمندہ ہوں اور اطاعت أُولِي الْأَمْرِ کے متعلق کیا بیان کروں۔ حضرت شیخ نے اطاعتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کو اطاعتِ رسول ﷺ کے علاوہ جو سمجھا، یہ بات (سکر کی بنا پر ہے (یہ ہوش کی بات نہیں ہے) اور استقامت سے بعید ہے، مستقیم الاحوال مشائخ نے اس قسم کی باتوں سے پرہیز کیا ہے۔ اور شریعت و طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کو رسول ﷺ کی اطاعت میں جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کی وہ اطاعت جو آنحضرت ﷺ کی صورت میں نہ ہو اسے عین ضلالت و گمراہی خیال کرتے ہیں۔

شریعت کی عظمت اور اہل شریعت علماء کے اکرام کے بارے میں مکتوب نمبر 165 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن: پس لازم ہے کہ ہمیشہ اپنی ہمت کو احکامِ شرعیہ کی بجا آوری سے صرف کیا جائے اور اہلِ شریعت علماء و صلحا کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیئے اور شریعت کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ اور گمراہ و اہل بدعت کو ذلیل و خوار رکھنا چاہیئے۔ "مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ" (جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں اس کی مدد کی)۔

اسلامی معاشرت کے اہم نکتے پڑوسی کے حقوق کی طرف مکتوب نمبر 178 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن: جو حضرات اخلاق نبوی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے متخلق ہیں ان کو اس بات کی طرف توجہ دلانے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کے ساتھ احسان اور حسنِ معاشرت سے پیش آئیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایسی رہنمائی و دلالت سوء ادبی میں داخل ہو جائے۔ مختصر یہ کہ آدمی ضرورت کے وقت ہر معمولی سے معمولی چیز کا سہارا تلاش کرتا ہے اور ہر کمزور لاغر سے اپنی تسلی حاصل کرتا ہے اس بنا پر فقیر آپ کے سامنے سائلوں اور محتاجوں کی تسلی اور دستگیری کا مسئلہ پیش کرنے کا باعث بنا۔

میرے مخدوم و مکرم! احسان ہر جگہ اور ہر موقع پر لائق تحسین ہے خاص طور پر اس جماعت کے ساتھ احسان کرنا بہت ہی اچھا ہے جو ہمسائیگی کا حق رکھتے ہیں۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات ہمسایوں کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر مبالغہ فرماتے تھے کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو یہ گمان ہونے لگتا کہ شاید آپ پڑوسیوں کو میراث میں بھی داخل فرما دیں گے۔ مثنوی

چوں چنیں بایک دگر ہمسایہ ایم
تو چو خورشیدی و ماچوں سایہ ایم

چہ بدے اے مایہ بے مایگاں
گر نگہدار ی حق ہمسایگاں

ترجمہ: جبکہ ہم سب ایک ہے ہم سایہ ہیں، تم ہو سورج اور ہم سب سایہ ہیں،

کیا ہو اے مایہ بے مایگاں، گر ہو ملحوظ اب حق ہم سایگاں)

مکتوب نمبر 237 میں نقشبندی سلسلے میں سنت کی پیروی اور عزیمت کے اختیار کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

تشریح:

یہ بہت اہم بات ہے۔ میں اس لئے اس کو بہت زیادہ بیان کرتا ہوں کہ آج کل اسی میں لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔ عزیمت سے بھاگ رہے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے نقشبندی سلسلہ میں مجاہدہ نہیں ہے۔ خدا کے بندو! عزیمت سے بڑھ کر مجاہدہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ آپ حضرات عزیمت پر آ جاؤ، آپ کو کسی اور مجاہدہ کی ضرورت ہی نہیں ہے، لیکن اگر آپ عزیمت پر نہیں آتے، پھر آپ کو مجاہدہ کی ضرورت ہے، پھر مجاہدے کرنے پڑیں گے ورنہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نقشبندی ہیں، ہم مجددی ہیں، ہم فضلی ہیں۔ خدا کے بندو! اسی لئے فضلی اور مجددی ہیں کہ آپ ان کے طریقے پر چلیں، آپ ان کے طریقے پر نہیں چلتے اور کہتے ہیں ہم مجددی ہیں، ہم فضلی ہیں۔ ایسے نہیں ہوتا۔ ان کے طریقے پر چلنا پڑے گا۔ پھر آپ یہ بات کہہ سکتے ہیں۔

متن:

میرے سعادت مند بھائی! طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے بزرگوں نے روشن سنت کی پیروی کو لازم و ضروری قرار دیا ہے اور عمل کو عزیمت پر اختیار فرمایا ہے۔ اگر اس التزام و اختیار کے ساتھ ان کو احوال و مواجید سے بھی مشرف کر دیں تو نعمت عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر احوال و مواجید ان کو بخش دیں اور اس التزام و اختیار (سنت سنیہ) میں کوئی فتور واقع ہو تو وہ ان احوال کو پسند نہیں کرتے اور ان مواجید کو نہیں چاہتے اور اس فتور میں اپنی خرابی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ کیونکہ ہندوستان کے برہمنوں، جوگیوں اور یونان کے فلاسفہ اور حکماء تجلیات صوری اور مکاشفات مثالی اور علومِ توحیدی بہت رکھتے ہیں لیکن ان کو ان (علوم) سے سوائے خرابی اور رسوائی کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، اور ان کے وقت کی دولت سوائے بُعد و حرمان کے کچھ نہیں۔

مکتوب نمبر 249 میں ہر قسم کا کمال اتباع سنت میں سمجھنے پر یوں زور دے رہے ہیں۔

متن:

آخرت کی نجات اور دائمی فلاح حضرت سید الاولین والآخرین علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت پر وابستہ ہے لہٰذا آنحضرت کی متابعت کی وجہ سے (آپ کی امت کے برگزیدہ) حق جل سلطانہ کی محبوبیت کے مقام پر پہنچتے ہیں، اورآپ ہی کی متابعت سے تجلی ذات تعالیٰ و تقدس سے مشرف ہوتے ہیں، اور آپ ہی کی متابعت کی وجہ سے عبدیت کے مرتبہ پر جو تمام کمالات کے مراتب میں فوق ہے اور محبوبیت کے مقام حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز ہوتے ہیں، اور آپ ہی کی کامل پیروی کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند فرمایا ہے۔ اور پیغمبرانِ اولو العزم بھی آپ ﷺ کی متابعت کی آرزو رکھتے تھے۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ و السلام، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپ کی متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کے نزول اور حضرت حبیب اللہ علیہ الصلوۃ و السلام کی متابعت کا قصہ معلوم اور مشہور ہے۔ اور آپ کی امت آپ ہی کی متابعت کی برکت سے "خیر الامم" قرار دی گئی، اور ان میں سے اکثر اہلِ جنت میں سے ہیں اور کل بروز قیامت آپ ہی کی متابعت کی بدولت تمام امتوں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے اور وہاں کی نعمتیں حاصل کریں گے۔ اسی طرح اور اسی طرح ہو گا۔ (یہ فضائل و خصائص صرف اسی امت کے لئے مخصوص ہیں)۔ پس آپ کے اوپر لازم ہے کہ آنحضرت علیہ و علیٰ جمیع اخوانہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت اور سنت کو لازم جان کر شریعتِ حقہ کے احکام بجا لائیں۔

اتباع شیخ کے لئے رابطہ یعنی "تصور شیخ" کی اہمیت کے بارے میں ایک سالک کی غلط فہمی دور فرماتے ہیں۔

متن:

خواجہ محمد اشرف نے نسبت رابطہ (تصور شیخ) کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ

اس حد تک غالب ہو گئی ہے کہ نماز میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر بالفرض اس کی نفی کرنا چاہے تو وہ رابطہ نفی نہیں ہوتا۔ اے محبت کے نشان والے! طالبانِ حق جل و علا اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت والا شخص صاحبِ استعداد اور کامل مناسبت والا ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے۔ اور رابطہ (شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ تو مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت کا ظہور سعادت مندوں کو حاصل ہوتا ہے

تشریح:

یعنی محراب کی طرف جو آپ سجدہ کر رہے ہیں یہ اللہ کو ہی کر رہے ہیں، محراب کو تو نہیں کر رہے ہیں۔ تو حضرت نے یہ کتنی زبر دست دلیل دی ہے کہ محراب کی طرف سجدہ محراب کو سجدہ نہیں ہے بلکہ اللہ کو ہی ہے، البتہ اس نے آپ کو اس طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ خانہ کعبہ کو جو ہم اور آپ سجدہ کرتے ہیں، وہ خانہ کعبہ کو کرتے ہیں یا اللہ کو کرتے ہیں؟ خانہ کعبہ کو کرنے کے لئے حکم ہے، یعنی اس طریقہ سے سجدہ کرو۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، تو اس وقت اللہ ہی کو سجدہ تھا، کیونکہ حکم اللہ کا تھا، اللہ کا حکم پورا کرنا تھا۔ تو شیخ آپ کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، آپ اس کا جو ادب اور احترام کرتے ہیں، وہ اللہ پاک کا کر رہے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی طرف جانا چاہتے ہیں۔

متن:

تاکہ وہ تمام احوال میں صاحبِ رابطہ (مرشد) کو اپنا وسیلہ جانیں اور تمام اوقات میں اسی کی طرف متوجہ رہیں۔ نہ کہ ان بد بخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی (رابطہ شیخ سے بے نیاز) جانتے ہیں اور اپنی توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ کی طرف سے ہٹا لیتے ہیں اور اپنے معاملے کو خراب کر لیتے ہیں۔

تشریح:

جب کسی پر یہ بات کھل گئی کہ میں زیادہ جانتا ہوں تو بس پھر وہ گیا، پھر وہ جانے اور اس کا کام جانے۔ لیکن جب تک وہ کہتا ہے کہ مجھے اس دروازہ سے مل رہا ہے، اور اس دروازہ سے مجھے جو ملے گا میں لوں گا اور اپنے آپ کو اس کا محتاج سمجھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو شیخ کا محتاج نہیں سمجھتا، بلکہ اللہ کا محتاج سمجھتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو اس دروازہ سے دے رہے ہیں۔

متن:

اتباعِ سنت اور اتباعِ شیخ کی اہمیت کے بارے میں مکتوب نمبر 13 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن: اگر ان دو باتوں میں استحکام ہو جائے تو پھر کوئی غم نہیں ہے۔ (۱) صاحبِ شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام کی متابعت اور (۲) شیخ طریقت سے عقیدت و محبت۔ ان دونوں کا خیال رکھیں۔ اور ملتجی و متضرع رہیں کہ ان دونوں دولتوں میں سُستی نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سہل ہے اور اس کی تلافی ممکن ہے۔

تشریح:

یعنی ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پکڑو اور دوسرے شیخ کا طریقہ پکڑو۔ بس آپ کے دونوں کام ہو جائیں گے، اسی سے آپ کی کامیابی ہو جائے گی۔ ان میں سستی نہ کرو۔

اللہ پاک نے ہمیں ایسی ایسی چیزیں دکھائی ہیں کہ میں اگر بیان کروں تو لوگ یقین نہیں کریں گے۔ اس وجہ سے میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں جو حضرت نے بتا دیا، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتاتا۔ کیونکہ میری آنکھوں دیکھی چیزیں اس سے زیادہ اچھی نہیں ہیں، لیکن اللہ پاک نے دکھایا ہے کہ کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا تعلق خاص نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ ۝

اَمَّا بَعۡدُ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

مقاماتِ قطبیہ اور مقالاتِ قدسیہ (کتاب) سے حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوز و گداز کے بارے میں گزشتہ سے پیوستہ بات چل رہی ہے۔ چند ابیات سامنے آئے تھے۔

متن: ابیات:

از تر آمد زِ جان نعرۂ غوغا ز عشق
باز ازاں کوہ قاف آمدہ عنقائے عشق

سینہ کشادہ سنت فقر جانب دلہائے پاک
در شکم طور بیں طنطنہ ہائے عشق

عشق ندائے بلند کرد باآواز پست
گفت کہ بالائے عرش کنگر بالائے عشق

"روح کے اندر سے عشق کی وجہ سے ایک نعرہ بلند ہوا۔ کوہِ قاف کی بلندیوں سے عشق کا عنقا بر آمد ہوا۔ فقر نے اپنا سینہ پاک دلوں کے لئے کشادہ کیا ہے۔ کوہِ طور کے پیٹ میں عشق کے طنطنے دیکھ لو۔ عشق نے نیچی آواز سے آواز بلند کر کے نعرہ لگایا کہ عرش کی بلندیوں پر عشق کا مینارہ بلند کیا گیا ہے"۔

پس اے میرے پیارے! لیلیٰ کا جمال مجنون کے عشق سے کہتا ہے کہ اے مجنون کے عشق! اگر میں غمزہ کروں، یعنی آنکھ کا اشارہ کروں تو لاکھوں مجنون صفت لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ اور ہمارے غمزے، اور آنکھ کے اشارے کے شہید ہو جائیں گے، تو مجنون کا عشق بھی جواب میں کہتا ہے کہ اگرچہ تمہارا غمزہ مجنون کو فنا کرتا ہے، مگر تمہارا وصال و لطف اُس کو عالمِ بقا تک پہنچاتا ہے۔ اور ہر گھڑی اور ہر آن اُس کو

مقامِ ارفع و اعلیٰ میں نوازتا ہے۔

ابیات:

وصلِ تو گنج ست پنہاں ہم از خود
ہر کہ فانی شد ز خود مردانہ است

گو مرا در عشق خود فانی کنی
باقیت ہر جان خود شکرانہ است

"تمہارا وصال ایک ایسا خزانہ ہے جو کہ خود ہم سے بھی پوشیدہ ہے۔ جو کوئی عشق میں فانی ہوا وہ مرد ہے۔ اگر تم مجھے اپنے عشق میں فانی کرو گے تو ہماری جان اس نوازش عالی کے لئے شکرانہ ہے"

پس اے برادرِ عزیز! عشق کا متوالا بنا رہ کہ عشق کے محرم لوگ خود جانتے ہیں کہ عشق کی ایک حالت ہوتی ہے۔ نا اہل لوگوں کے لئے عشق ملامت اور بیماری کا سبب ہوتا ہے۔ عشق کی خلعتِ فاخرہ ہر کسی کو نہیں پہنائی جاتی، نامردوں اور مخنث ہیجڑوں کا عشق سے کیا واسطہ۔

تشریح:

واقعتاً انسان اُن لوگوں کی بات کو نہیں سمجھ سکتا جن کی صفات انسان کی سمجھ کے دائرہ سے بہت بالا ہوتی ہیں۔ انسان ان مقامات کو نہیں سمجھ سکتا۔ عشق اور عقل میں کشمکش چلتی رہتی ہے۔ عقل بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے لیکن ساری چیزیں عقل سے حاصل نہیں ہوتیں۔ عقل بعض چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر عقل کے ذریعے اس کی پہنچ سے بلند تر چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو عقل کام چھوڑ دیتی ہے؛ کیونکہ وہ چیز اس کی پہنچ سے باہر ہوتی ہے۔ یہ بات کئی حضرات کے ہاں زیر بحث رہی ہے۔ عقل مندی بذات خود مطلوب ہے لیکن اصل عقل مندی وہ ہے جو انسان کو کامیاب کرا دے۔ لہٰذا عقل مندی اگر کامیابی میں آڑے آ جائے تو پھر وہ عقل مندی نہیں رہے گی۔ وہ عقل مندی کی ایک

صورت تو ہے لیکن عقل مندی کی حقیقت نہیں ہے۔

عقل چاہے کتنی ہی عمدہ چیز کیوں نہ ہو لیکن اس میں دو کمزوریاں ہیں جو انسان کو کامیابی کے حصول سے روک سکتی ہیں۔ ان کمزوریوں پر قابو پا کر انہیں دور کرنے کے لئے عقل کو عشق کا ساتھ چاہئے ہوتا ہے۔ عقل کی ایک کمزوری یہ ہے کہ عقل معلومات پر انحصار کرتی ہے۔ جس حد تک معلومات کامل ہوں گی اس حد تک عقل صحیح کام کرے گی۔ اگر معلومات میں نقص ہو گا تو عقل کے ان فیصلوں میں بھی نقص ہو گا جو وہ ان معلومات کی بنیاد پر کرے گی۔ دوسری کمزوری یہ ہے کہ عقل کے اندر بذات خود ایثار نہیں ہے اس میں خود غرضی ہے۔ انسان کی عقل اور ظاہری حِس اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی، عقل کو جس کام میں تکلیف نظر آئے اسے کرنے میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔

جب یہ بات سمجھ آ گئی تو اب یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کمزوریوں پہ قابو کیسے پایا جائے۔ پہلی کمزوری یعنی معلومات کے نقص کی وجہ سے عقل کے فیصلوں میں نقص کا ہونا، اس پہ قابو کا طریقہ یہ ہے کہ عقل کو وہ معلومات دی جائیں جن میں نقص نہ ہو۔ وہ ایک ہی چیز ہے جس میں علمی لحاظ سے کوئی نقص نہیں ہے، اور وہ کتاب اللہ ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا:

﴿الٓمٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرہ:1-2)

ترجمہ: "الم یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے والوں کے لئے"۔

اگر علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو کتاب اللہ کے اندر کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ کتاب اللہ براہ راست اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، بھلا اس کے اندر نقص کیسے ہو سکتا ہے؟ نقص سے پاک معلومات کا ایک ذریعہ قرآن ہے اور دوسرا ذریعہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔ سنتِ نبوی میں بھی کوئی نقص نہیں ہے بلکہ تمام کمالات کو جمع کر کے اِس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا ہر طریقہ محبوبِ حقیقی کی رضا کا بہت بڑا سبب ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا علم ہر قسم

کی غلطی، کمزوری اور خطا سے پاک ہے تو معلوم ہو گیا کہ اگر عقل کا محور کتاب و سنت کا عِلم بن جائے تو عقل صحیح فیصلے کرے گی۔

عقل کی کمزوری یہی ہے کہ اس کے اندر یہ دو نقص پائے جاتے ہیں۔ یہ بڑے نقص ہیں چھوٹے نقص نہیں ہیں۔ عقل کی معلومات کے ذرائع ناقص ہوں گے تو اس کے فیصلے بھی ناقص ہوں گے۔ لوگوں کے پاس جو علم موجود ہے، اس میں نقص پایا جاتا ہے، اس میں روزانہ تبدیلی ہوتی ہے۔ سائنس کی دنیا کے لحاظ سے بات کر رہا ہوں کہ آج ہم کسی چیز کے بارے میں ایک بات کہتے ہیں تو کل اسی بات سے رو گردانی کا اظہار کرتے ہیں۔ سائنس کے اندر جو کمال ہے وہ اس کا تغیر ہی ہے۔ اور تغیر بذاتِ خود نقص ہے۔ اس وجہ سے سائنس کے اندر کمال پایا نہیں جا سکتا کیوں کہ سائنس کے اندر تغیر ہے۔ سائنس کے اندر تغیر اس وجہ سے کمال ہے کہ سائنس مشاہدات اور تجربات پر مبنی علوم کا نام ہے۔ اگر اس کو مشاہدات و تجربات سے الگ کر دیں تو اس کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ جب سائنس کا تمام تر انحصار مشاہدات و تجربات پر ہے تو اس میں جو تبدیلیاں آئیں گی ان کے نتیجہ میں، سائنس میں لازماً تغیر ہو گا۔ لہذا سائنس کا کمال تغیر میں ہے۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے Hepatitis-C جیسی بیماریوں کا وائرس اپنے آپ کو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل کرتا رہتا ہے، اس کے لحاظ سے علاج بھی تبدیل ہوتا رہے گا۔ اسی طرح سائنس میں بھی تغیر ہے، یہی اس کا کمال ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ کسی چیز میں تغیر کا ہونا بذات خود ایک نقص ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پہ عجیب بات فرمائی۔ فرمایا کہ ایک شخص کسی کو برے حال میں دیکھ کر متاثر ہوتا ہے، اس کے چہرے پر (رِقت کے) آثار آ جاتے ہیں وہ رونا شروع کر دیتا ہے اس کے بعد اس کا ہاتھ اپنی جیب میں جاتا ہے، وہ جیب سے پیسے نکال کر اس کو دیتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا شخص ہے، وہ کسی غریب کو دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر ذرہ بھر کوئی تاثرات نہیں آتے لیکن وہ جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے اور پہلے شخص سے زیادہ پیسے نکال کے اس کو دے دیتا ہے اور

اس کے مسئلہ کو حل کر دیتا ہے۔ ان میں سے کامل کون ہے؟ دوسرا کامل ہے، کیونکہ پہلے میں تغیر پایا گیا، دوسرے میں کمال پایا گیا۔ اور تغیر بذاتِ خود نقص ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے ایک اور عجیب مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ انگریز نشے میں لڑتا ہے اور پٹھان بغیر نشے کے لڑتا ہے۔ ان میں سے بہادر کون ہے؟ ظاہر ہے بہادر وہ ہو گا جو ہوش میں لڑے گا۔

بہرحال تغیر بذاتِ خود ایک نقص ہے، اور چونکہ سائنس میں یہ نقص پایا جاتا ہے اس لئے یہ آپ کو باکمال نہیں بنا سکتی۔ دوسری طرف قرآن و سنت کامل ہیں، ان میں تغیر نہیں ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا﴾ (المائدہ: 3)

ترجمہ: "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا"۔

لہٰذا دین میں کوئی نقص نہیں ہے۔ اللہ نے جو دینا تھا دے دیا، جو نعمت عطا فرمانی تھی عطا فرما دی۔ اب یہ کمال کو پہنچی ہوئی چیز ہے، اور معاملہ بھی اللہ کے ساتھ ہے۔ اب خود سوچ لو۔ اِس (کتاب و سنت) پہ فیصلہ کرو گے تو کیسا ہو گا اور اُس متغیر (سائنس و عقل) پہ فیصلہ کرو گے تو کیسا ہو گا۔

اگر ہم عقل کا input (ماخذ) قرآن و سنت کو بنا دیں تو پہلا نقص دور ہو جائے گا اور یہ عقل عقلِ ایمانی کہلائے گی۔ کیونکہ اس کا تعلق ایمان بالغیب کے ساتھ ہے، جو کہ اس کا کمال ہے۔

عقل کی دوسری کمزوری یہ ہے کہ عقل خود غرض ہے۔ یہ کمی عشق کے ذریعے سے دور ہو گی۔ عشق میں ایثار ہے۔ عشق میں فنائیت ہے۔ عشق کے اندر جو ایثار اور فنائیت ہے، اگر عقل اس کی خادم بن جائے اور قرآن و سنت کو اپنا ماخذ بنا لے تو یہی کمال ہو گا اور ایسے ہی لوگ باکمال ہوتے ہیں۔ حضرت کاکا صاحب ؒ ان اشعار میں

یہی باتیں فرما رہے ہیں۔

اگر میں یہ ساری تمہید نہ باندھوں تو یہ باتیں سمجھ میں نہیں آئیں گی بلکہ محض جذباتی قسم کے نعرے محسوس ہوں گے۔ مگر یہ جذباتی باتیں نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں اور حقائق کو سمجھنے کے لئے کڑیاں ملانی پڑتی ہیں۔

متن:

"روح کے اندر سے عشق کی وجہ سے ایک نعرہ بلند ہوا۔ یعنی کوہِ قاف کی بلندیوں سے عشق کا عنقا بر آمد ہوا۔

تشریح:

جو چیز بظاہر نا ممکن ہے وہ عشق کے ذریعے سے ممکن ہوئی۔

متن:

فقر نے اپنا سینہ پاک دلوں کے لئے کشادہ کیا ہے۔ کوہِ طور کے پیٹ میں عشق کے طنطنے دیکھ لو۔ عشق نے نیچی آواز سے آواز بلند کر کے نعرہ لگایا۔

تشریح:

"نیچی آواز سے نعرہ لگایا" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو فنا کر کے دکھایا۔ عاشق اپنے آپ کو فانی کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا۔

حضرت مولانا عبد الکریم صاحب ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے مجازِ صحبت تھے، وہ فرماتے ہیں: حضرت مولانا فقیر محمد صاحب ؒ (جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے مجازِ بیعت تھے) گرمیوں میں حضرت کو پنکھا جھلتے تھے۔ وہ پنکھا بوری کا ہوتا تھا۔ میں نے ایسا پنکھا دیکھا ہے۔ رسی کے ساتھ ایک بہت بڑی بوری لگی ہوتی تھی اور ایک جھولا سا بنا ہوتا تھا، اس کے ساتھ بوری لٹکی رہتی تھی اور اس کا جو دھونک تھا اس کے ساتھ رسی ہوتی تھی۔ اس رسی کو ہلایا جاتا تھا تو پورے کمرے میں ہوا چلتی تھی۔ اس رسی کو ہلانے والا آدمی کمرے سے باہر کھڑا ہوتا تھا۔ باہر سے

مراد یہ ہے کہ باہر کی ہوا میں ایک آدمی بیٹھا رسی کو آگے پیچھے کر رہا ہوتا اور اندر والا آرام سے سو رہا ہوتا تھا۔ گھروں میں اس قسم کی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ لوگ اپنے مسائل حل کر لیتے ہیں۔ اُس وقت لوگ مسائل کو اس طرح حل کر لیتے تھے۔

بہرحال حضرت مولانا عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گرمیوں کے موسم میں دوپہر کے دوران سارا وقت مولانا فقیر محمد صاحب بیٹھ کر پنکھا جھلتے رہتے اور جس وقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اٹھنے کا وقت آتا تھا اس وقت ہم لوگ آکر مولانا فقیر محمد سے وہ پنکھا لے لیتے تھے۔ مولانا وہ پنکھا انہیں دے دیتے تھے اور اس بات کی پروا نہیں کرتے تھے کہ سارا وقت تو میں نے پنکھا جھلا ہے اور اب آخری وقت میں تم لے رہے ہو۔ حضرت مولانا عبد الکریم فرماتے ہیں کہ انہوں نے کبھی یہ اعتراض نہیں کیا۔ جب بھی ہم نے پنکھا لینا چاہا انہوں نے دے دیا۔ اس اخلاص کی برکت دیکھو کہ ہم کیا ہیں اور وہ کیا ہیں۔

یہی تو بات ہے کہ عشق اپنے آپ کو فنا کرتا ہے، اس میں خود غرضی نہیں ہوتی، اس میں اظہار نہیں ہوتا۔ ذرا غور کریں کہ جب انسان کی انسان کے ساتھ محبت کا یہ حال ہے تو جو محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو گی، اس کا کیا حال ہو گا۔ اندر ہی اندر بڑی کڑیاں مل رہی ہیں۔ میں کچھ عمل کر کے اس کو یاد رکھوں کہ میں نے یہ عمل کیا ہے اور دوسرا شخص عمل کر کے اس کو بھول جاتا ہے کہ میں نے کچھ کیا ہے، اس کو کچھ سمجھتا ہی نہیں بلکہ اگر کوئی اسے بتا دے کہ تو نے یہ عمل کیا ہے تو وہ اس پہ شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے یہ کیا کیا ہے۔ بتائیے دونوں میں فرق ہو گا یا نہیں۔ ضرور ہو گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے گھر کے پاس سے گزرے، پکا گھر تھا۔ پوچھا: یہ کس کا گھر ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ فلاں کا گھر ہے۔ بعد میں جب وہ صحابی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نظر التفات نہیں فرما رہے تھے۔ وہ قصداً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر نہ آیا ہو۔ یہ بھی محبت کے عجیب انداز ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے بھی منہ موڑ لیا۔ پھر وہ دوسری طرف گئے

تو وہاں سے بھی چہرہ موڑ لیا۔ اس سے انہیں پتا چل گیا کہ یہ تو قصداً ہو رہا ہے۔ اب عاشق کے لئے تو یہ بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ بہت پریشان ہو گئے۔ اپنے دوست صحابہ سے پوچھا: کیا میرے متعلق کوئی خاص واقعہ ہوا ہے، کیا کوئی بات آپ ﷺ کو پتا چلی ہے کہ اس طرح ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کسی نے بتایا کہ آپ کے گھر کے پاس سے گزرے تھے اور اس طرح بات ہوئی تھی۔ انہوں نے فوراً جا کر اس گھر کو گرا دیا اور آپ ﷺ کو بتایا بھی نہیں کہ میں نے یہ کیا ہے۔ یہ ہے ایثار۔ آج کل کے لوگوں کو دیکھیں کہ تھوڑی سی بات ہو تو وہ آ کر بڑے جوش سے اطلاع دیں گے کہ حضرت میں نے یہ کر لیا۔ خیر ان صحابی رضی اللہ عنہ نے از خود نہیں بتایا، بعد میں کسی وقت آپ ﷺ وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ وہ گھر نہیں تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اسے گرا دیا گیا ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں پختہ گھر انسان کے اوپر بوجھ ہی ہوتا ہے۔

ایک بات عرض کرتا چلوں کہ آپ ﷺ کے نظامِ تربیت اور ہمارے نظام تربیت میں بہت زیادہ فرق ہے۔ یہ فرق حالات کی وجہ سے ہے۔ ہم کئی کام آج کل کے حالات میں ویسے کر ہی نہیں سکتے۔ دیکھیں، ایک مینار بن رہا ہو، اس کی ابتدا بن رہی ہو تو اس کا انداز کیسا ہو گا اور جب اس کی انتہا بن رہی ہو گی تب اس کا نقشہ کیسا ہو گا۔ دونوں کا طریقہ ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔

آج کل اگر ہم کسی کے ساتھ ایسا کر لیں (جیسا نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کے ساتھ معاملہ فرمایا) اور ہم نے اسے پہلے اس کے لئے تیار بھی نہ کیا ہو، اس مقام تک نہ پہنچایا ہو، تو ایسا کرنے سے اس کی اصلاح نہیں ہو گی، یہ بالکل توڑنے والی بات ہو گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے بارے میں الٹی سیدھی باتیں مشہور کرنا شروع کر دے۔ لہٰذا اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ وہ معاملہ اور تھا، ہمارا معاملہ اور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے بارے میں جو فیصلے ہوتے تھے یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو فیصلے ان کے اپنے بارے میں ہوتے تھے وہ ان کا معاملہ تھا۔ کہاں ہم اور کہاں وہ۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک "بھلا مٹی کو عالمِ پاک کے ساتھ کیا نسبت ہے۔" لہٰذا وہ معاملہ اور تھا۔ ایسی فقر کی بات آج کل کسی کو نہیں بتائی جا سکتی۔ ہم ساری عمر یہ

باتیں بولتے رہیں اور لوگ اس پہ ناراض نہ ہوں تو یہ بھی غنیمت ہے، ماننے والی بات تو بڑا مشکل کام ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ عشق ایثار پیدا کرتا ہے۔ عقل خام حالت میں ہے، خود غرضی پیدا کرتی ہے۔ اگر عقل کو دو چیزیں مل جائیں ایک بنیاد اور دوسری ایثار، تو عقل کی اصلاح ہو جائے گی۔ بنیاد یہ ہے کہ عقل کی معلومات کے حصول کا ذریعہ و ماخذ قرآن و سنت ہو۔ جب ایسا ہو گا تو وہ الگ طریقے سے سوچنا شروع کرے گی، پھر اس کا رخ الگ ہو گا۔ دوسری چیز ایثار ہے۔ ایثار اس طرح آ سکتا ہے کہ عقل عشق کی خادم بن جائے۔ چونکہ عشق ایثار والا ہے، جب عقل عشق کی خادم بن جائے گی تو یہ بھی ایثار کے بارے میں سوچے گی، ایثار کے لئے سارے کام کرے گی اور اپنے آپ کو فنا کرنے کے لئے سارے کام کرے گی۔

اس لئے حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کے بارے میں یہ باتیں فرمائیں۔ آگے یہ آ رہا ہے کہ اس سب پہ کیا ملے گا۔ یہ مختصر سا پیرا گراف ہے لیکن دیکھئے گا کہ اس کے اندر کیا کیا موجود ہے۔

متن:

پس اے میرے پیارے! لیلیٰ کا جمال مجنون کے عشق سے کہتا ہے کہ اے مجنون کے عشق! اگر میں غمزہ کروں۔

تشریح:

یعنی میں نظر کر لوں، کوئی اشارہ کر لوں۔

متن:

تو لاکھوں مجنون صفت لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔

تشریح:

صرف ایک اشارے کی دیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام صرف تُو نہیں کر رہا۔

مانا کہ تو عاشق ہے، لیکن میرے حسن کا عالَم یہ ہے کہ اگر ایک اشارہ کر دوں تو ایک طوفان بن جائے گا، صرف اشارہ کرنے کی دیر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ جمال ہی ایسا ہے تو اس کا اثر بھی ایسا ہی ہو گا۔

متن:

اور ہمارے غمزے، اور آنکھ کے اشارے کے شہید ہو جائیں گے، تو مجنون کا عشق بھی جواب میں کہتا ہے۔

تشریح:

سبحان اللہ! مجنون اپنی فنائیت کے کمال کو پیش کرتا ہے۔ اپنے کچھ نہ ہونے کو بنیاد بناتا ہے۔ کیا خوب بات ہے کہ اپنے کچھ نہ ہونے کو بنیاد بناتا ہے۔

متن:

اگرچہ تمہارا غمزہ مجنون کو فنا کرتا ہے، مگر تمہارا وصال و لطف اُس کو عالمِ بقا تک پہنچاتا ہے۔

تشریح:

یہ فنائیت یوں ہی نہیں ہے، اس کے پیچھے بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کی مثال Chemical reaction (کیمیائی عمل) جیسی ہے۔ کیمیائی عمل میں جب ہم ایک چیز کو فنا کرتے ہیں تو اس سے دوسری چیز بنتی ہے۔ اگر وہ چیز بہت زیادہ قیمتی ہو تو اس کے لئے پہلی کا فنا ہونا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسی طرح ایک فنائیت نفس کے لئے ہوتی ہے، وہ تو ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی چیز کو جلا کر خاک کر دیں، اس کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ اس کی راکھ بن گئی۔ اور ایک فنائیت اللہ کے لئے ہے، جسے فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ یہ فنا ایسے ہے جیسے Chemical reaction ہوتا ہے کہ اس سے بہترین چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ پہلی چیز کا فنا ہونا دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ حضرت یہی فرما رہے ہیں:

متن:

کہ اگرچہ تمہارا غمزہ مجنون کو فنا کرتا ہے، مگر تمہارا وصال و لطف اُس کو عالمِ بقا تک پہنچاتا ہے۔ اور ہر گھڑی اور ہر آن اُس کو مقام ارفع و اعلیٰ میں نوازتا ہے۔

تشریح:

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کو سنتے سنتے شہید ہو گئے تھے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

یعنی تیرے عشق کی تلوار سے جس کی جان چلی جائے اسے ہر وقت ایک نئی جان ملا کرتی ہے۔ جیسے جیسے ادھر فنا ہوتی ہے، دوسری جانب بقا ملتی جاتی ہے۔ ہر زماں از غیب جان دیگر است۔ غیب سے اس کو نئی جان عطا ہو رہی ہوتی ہے۔

تیرے پاس کوئی چیز ہے، اگر تو نے اس کو اپنا (ذاتی کمال) سمجھا اور ایسا سمجھنے کی وجہ سے اس کو پیش نہ کر سکا تو یہ بھی ایک action (عمل) ہے، یہ بھی ایک حرکت ہے، ایک کام ہے۔ لیکن اگر تو نے اس کو اِس تناظر میں دیکھا کہ یہ دیا کس نے ہے، وہ کیسا ہے اور میں کیا ہوں، میری کیا حیثیت ہے، یہ سمجھ کر اُس کی رضا کے لئے قربان کر دیا۔ اب اللہ تعالیٰ ان سب معاملات کو دیکھ رہا ہے۔ تو نے اپنی جان کو اللہ کے لئے فنا کیا، اگر یہ کام نفس کے لئے ہوتا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن اب چونکہ یہ اللہ کے لئے ہے اس لئے اس کی نسبت اُتنی ہی اونچی ہو گئی جتنا اُونچا وہ خود ہے۔ لہذا اب یہ جان معمولی جان نہیں ہے بلکہ اس نسبت کی وجہ سے یہ بہت بڑی جان بن گئی ہے۔یہاں پر یہی بات ہو رہی ہے کہ جب اس فنائیت کو محبوب قبول کر لے تو جو بقا حاصل ہوتی ہے اس بقا کی کوئی پیمائش نہیں کی جا سکتی۔ فرماتے ہیں:

متن:

وصل تو گنج ست پنہاں ہم از خود
ہر کہ فانی شد ز خود مردانہ است

گو مرا در عشق خود فانی کنی
باقیت ہر جان خود شکرانہ است

"تمہارا وصال ایک ایسا خزانہ ہے جو کہ خود ہم سے بھی پوشیدہ ہے۔ جو کوئی عشق میں فانی ہوا وہ مرد ہے۔ اگر تم مجھے اپنے عشق میں فانی کرو گے تو ہماری جان اس نوازش عالی کے لئے شکرانہ ہے"۔

تشریح:

یہ تو صرف شکرانہ کے طور پہ عشق کر رہا ہے۔

متن:

پس اے برادرِ عزیز! عشق کا متوالا بنا رہ کہ عشق کے محرم لوگ خود جانتے ہیں کہ عشق کی ایک حالت ہوتی ہے۔ نا اہل لوگوں کے لئے عشق ملامت اور بیماری کا سبب ہوتا ہے۔ عشق کی خلعتِ فاخرہ ہر کسی کو نہیں پہنائی جاتی، نامردوں اور مخنث ہیجڑوں کا عشق سے کیا واسطہ۔

تشریح:

ہم لوگوں کو نہ اس بات کی سمجھ آ سکتی ہے نہ ہی ہم اس کے سمجھنے کے اہل ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے مواقع پر ایک شعر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ

با مدعی مگوید اسرارِ عشق و مستی

جو ڈینگیں مارنے والا ہے، انکار کرنے والا ہے اس کے سامنے عشق و مستی کے اسرار نہ بیان کیا کرو۔ منکر کے لئے اتنی سزا کافی ہے کہ وہ اس سے محروم ہے۔ وہ اس بات کو سمجھنے کا اہل ہی نہیں ہے لہذا اس کے سامنے یہ باتیں نہ بیان کیا کرو۔ وہ ان باتوں کی قدر نہیں کر سکتے انہیں ان باتوں کا ذوق ہی نہیں ہے۔یہاں پر حضرت نے بھی گویا یہی فرمایا ہے کہ ہر ایک ان باتوں کو نہیں سمجھے گا یہ باتیں ہر ایک سامنے بیان کرنے کی نہیں ہیں۔

متن: بیت:

تا نباشد ہم چوں موسیٰ عاشقے
ہر عصا در دست ثعبان کے شود

در کف گل کاںچ وجود آدمی ست
آنچناں خورشید پنہاں کے شود

تشریح:

ہمارے حضرات بڑے اعلیٰ ذوق کے ہیں، کیسے کیسے اشعار کہاں کہاں سے لا رہے ہیں۔ صحیح بات ہے کہ ہمیں بھی معلوم نہیں تھا کہ ہمارے اکابر ایسے باذوق حضرات تھے۔

متن:

"اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح عاشق نہ ہو تو ہر عصا اور چھڑی ہاتھ میں کب سانپ بن جاتی ہے۔ اس مٹھی بھر خاک میں جو کہ انسان کا وجود اور جسم ہے۔ اس طرح کا سورج کب اور کیسے چھپا اور پوشیدہ ہو جاتا ہے؟"

پس اے برادرِ عزیز! جو عشق کرنے کے قابل ہے وہ اعلیٰ مقام کے قابل ہوتا ہے اور جو کوئی عشق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، وہ مقامِ عزت میں پذیرائی حاصل نہیں کر سکتا۔

تشریح:

واقعتاً ایسا ہی ہوتا ہے (کہ جو عشق کرنے کا اہل نہیں ہوتا وہ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا) ایک اللہ والے تھے، بڑے کھاتے پیتے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مولوی بن گئے تھے، ان کے خاندان میں زیادہ تر لوگ جرنیل، بریگیڈیئر، جج، انجینئر اور پروفیسر تھے۔ یہ سارے حضرات ایک تقریب میں اکٹھے ہو گئے۔ خاندان کی تقریب تھی۔ اشاروں اشاروں میں منصوبہ بن گیا کہ اس (مولوی صاحب) کو تنگ کرنا ہے۔ جنرل

صاحب سے پوچھا کہ آپ کی کیا privileges (مراعات) ہیں؟ جنرل صاحب نے اپنی مراعات بتائیں کہ تنخواہ ہے، کار ہے کوٹھی ہے، ریٹائرمنٹ پر اتنے پلاٹ ملیں گے، یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا، ساری ترتیب بتا دی۔ انجنیئر صاحب سے پوچھا گیا، اس نے اپنی مراعات بتا دیں۔ پروفیسر سے پوچھا گیا، پروفیسر نے اپنی بتا دیں، جج صاحبان نے اپنی بتا دیں۔ جس کے لئے یہ پورا کھیل تیار ہو رہا تھا اخیر میں اس سے پوچھا کہ جی حضور آپ کی کیا مراعات ہیں؟ اس نے ذرا مریل سی آواز میں کہا: میری تنخواہ ابھی شروع نہیں ہوئی مجھے فی الحال گذارا الاؤنس ملتا ہے، میری تنخواہ موت کے بعد شروع ہو گی۔

یہاں بھی یہی بات ہے۔ ایسے لوگوں کو ان کی بات کہاں سمجھ آ سکتی ہے؟ اگر سمجھ آتی تو وہ بھی ایسے نہ ہوتے؟ یہ ایمان بالغیب کی بنیاد پر فیصلے کرتے ہیں اور وہ جو مشاہدہ کے غلام ہیں بھلا اُن کو یہ چیزیں کیسے سمجھ آ سکتی ہیں؟ وہ تو مشاہدہ کی بنا پر ہی فیصلہ کریں گے، ان کو فوری نتیجہ چاہیئے۔

ہمارے ایک ساتھی تھے جو انجینئرنگ کالج میں سٹوڈنٹ تھے۔ سٹوڈنٹ الیکشن ہو رہا تھا۔ اس نے کہا: اگر سلائیڈ رول دو گے تو ہم آپ کو ووٹ دیں گے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ ووٹ بیچنا، یہ تو کم از کم میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا کہ ان لوگوں نے بعد میں ہمارے لئے کیا کرنا ہے، ابھی جو لینا ہے لے لو بعد میں انہوں نے ہمارے لئے کون سا پہاڑ کھودنا ہے؟ بات تو اس کی بھی غلط نہیں تھی۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو وہ لوگ جو مشاہدہ کے غلام ہیں، انہوں نے بھی آخرت کے لئے کچھ کرنا تو نہیں، کیونکہ انہیں فوری نتیجہ چاہیئے۔ جو فوری نتیجہ چاہے گا اس کو یہ باتیں سمجھ نہیں آئیں گی۔ فوری نتیجہ موجودہ سسٹم میں ہوتا ہے، دنیا کے اندر ہوتا ہے، لہٰذا فوری نتیجہ چاہنے والوں کو آخرت کی باتیں سمجھ ہی نہیں آ سکتیں، وہ ان کا domain (شعبہ) ہی نہیں ہے، اس پہ تو وہ سوچ ہی نہیں رہے۔ اگر آپ کوئی ایسی بات کریں گے تو وہ کہیں گے یہ کون سی باتیں کر رہے ہو۔ یہ باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔

متن:

چنانچہ ایک بزرگ نے نہایت اچھی بات فرمائی ہے کہ اے عاجز! اگر تو عشق کرنے کا خیال اور حوصلہ نہیں رکھتا، پس نادانی اور حماقت اختیار کر، کیونکہ "أَكْثَرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ بُلْهٌ" (إحياء العلوم، ربع المهلكات، بيان معنى النفس و الروح و القلب و العقل، رقم الصفحة: 3/23، دار المعرفة، بيروت)

"جنت والوں میں اکثریت نادانوں کی ہے"

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ پھر اس طرح کرو کہ اپنے ذہن سے کام ہی نہ لو، بس جو تمہیں بتایا جائے اس پہ عمل کرو۔ پہلے صحیح شخص کو تلاش کر لو پھر جو بھی وہ بتائے اس پہ عمل کرو۔ ایک بات عرض کرتا ہوں، بڑی عجیب بات ہے، اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور غالباً یہ نکتہ پہلی دفعہ آ رہا ہے۔ دیکھئے ایک شخص میں سمجھ ہے اور ایک میں سمجھ نہیں ہے۔ جس میں سمجھ ہے اسے دونوں چیزیں نظر آ رہی ہیں اور محسوس ہو رہی ہیں۔ وہ ایک چیز پر فیصلہ کر رہا ہے اور بلند مقام پر جا رہا ہے۔ دوسرے شخص میں اتنی سمجھ نہیں ہے کہ اسے چیزیں نظر آ سکیں اور محسوس ہو سکیں لیکن اس کے اندر اتنی سمجھ ہے کہ اس نے سمجھ دار لوگوں کا دامن پکڑ لیا ہے اور جو وہ اسے کہتے ہیں، کئے جا رہا ہے۔ اب جن لوگوں کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہیں ان کا مقام یقیناً بہت اوپر ہے لیکن اس میں خطرہ بھی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کو اختیار دیا جاتا کہ آپ بچپن میں فوت ہونا چاہیں، آپ کو بچپن میں وفات دے دی جائے اور یقینی طور پر جنت میں داخل کر دیا جائے، یا پھر جوانی میں موت دی جائے لیکن دونوں باتوں کا احتمال ہو، جنتی بھی ہو سکتے ہوں دوزخی بھی ہو سکتے ہوں، تو آپ کس چیز کو اختیار کریں گے؟ حضرت نے فرمایا دوسری چیز کو اختیار کروں گا۔ دوسری صورت ہے تو مشکل، لیکن اعلیٰ مقام تو اسی کے ساتھ حاصل ہو گا۔ سادہ لوگ یقیناً جنت جائیں گے اور وہ کثیر تعداد میں ہوں گے کیونکہ زیادہ لوگ اپنی عقل اور بصیرت کے لحاظ سے تو اس مقام تک پہنچ نہیں سکتے، یہ بڑا مشکل ہے، اس میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ محفوظ تو وہی لوگ ہیں لیکن

اعلیٰ مقام ان کا ہے جو خود چیزوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ تھوڑے ہوں گے اور وہ زیادہ ہوں گے۔ اب دیکھو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان شاء اللہ جنّتی ہیں، اسی طرح سادہ لوگ بھی بہت سارے جنّتی ہوں گے لیکن اعلیٰ درجہ تو انہی کا ہے جن کی پوری زندگی باقاعدہ ایک اونچے علمی مقام کے ساتھ وابستہ رہ کر فنائیت والے حال میں گزری ہے، جبکہ دوسرے لوگوں کا درجہ اِن جیسا تو نہیں ہے لیکن بہرحال وہ محفوظ ہیں۔ اس وجہ سے دونوں میں فرق بھی لازمی ہو گا۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے آج یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے، ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ بہت عرصہ تک میرے ذہن میں اس کا مطلب واضح نہیں تھا، حدیث شریف بھی ذہن میں ہوتی تھی کہ فقہاء کا مقام زیادہ ہوتا ہے، لیکن آج حضرت کی برکت سے یہ چیز واضح ہو گئی۔ فرمایا:

متن:

اے عاجز! اگر تو عشق کرنے کا خیال اور حوصلہ نہیں رکھتا، پس نادانی اور حماقت اختیار کر، کیونکہ "أَكْثَرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ بُلْهٌ" (إحياء العلوم، ربع المهلكات، بيان معنى النفس و الروح و القلب و العقل، رقم الصفحة: 3/23، دار المعرفة، بيروت) "جنت والوں میں اکثریت نادانوں کی ہے۔"

جنت طلب کرنے والے کو سرور عالم سید الکونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابلہ اور نادان کہا ہے۔ بھلا جو کوئی کہ دُر و گوہر اور لعل و جواہرات کے لئے لایا گیا ہے وہ خرمروں اور کوڑیوں پر قناعت کرے، آخر اس سے بڑی نادانی کیا ہو سکتی ہے؟

ابیات:

حضرت حق ہست دریائے قدیم
قطرۂ خورد است جنات النعیم

چوں بدریا مے توانی راہ یافت
سوئے یک شبنم چرا باید شتافت

"اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ایک عظیم و قدیم سمندر ہے، اور جنات النعیم اور ساری جنتیں اُس کے آگے ایک چھوٹا سا قطرۂ آب ہے۔ جب تم دریا کے پاس جا سکتے ہو، تو شبنم کے ایک قطرے کے لئے کیوں دوڑ دھوپ میں لگے ہو؟"

ہر کہ داند گفت با خورشید راز
کے تواند ماند با یک ذرہ باز

ہر کہ کل شد ذرہ را با اوچہ کار
چونکہ جان شد عضو را با اوچہ کار

"جو کوئی سورج کو اپنا راز داں بنا کر اپنا راز کہہ سکتا ہے تو اس کو ایک ذرہ کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جو کوئی "کُل" ہو جائے تو ذرے کا اُس سے کیا کام؟ اور جب جان ہو جائے تو ایک عضو کا اس سے کیا واسطہ؟"

تشریح:

یہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آپس میں مل رہی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو صفات کے اندر فنائیت اور ذات کے اندر فنائیت والی بات فرمائی ہے وہ یہی چیز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کسی صفت میں فنا ہونا اور ہے، ذات میں فنا ہونا اور ہے۔ شیونات میں فنا ہونا اور ہے، صفات میں فنا ہونا اور ہے۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ بات بیان فرمائی کہ جو کوئی سورج کو راز دان بنا کر اپنا راز کہہ سکتا ہے تو اسے ایک ذرہ کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے، کوئی کُل ہو جائے تو ذرہ کو اس سے کیا کام، اور جب جان ہو جائے تو ایک عضو کا اس سے کیا واسطہ۔ تو یہ وہی بات ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے انداز میں بیان فرمائی ہے۔

متن:

اے پیارے بھائی! جنت کی طلب میں ایک دنیا اُمنڈ آئی ہے اور ایک آدمی بھی

عشق کا خواہاں نظر نہیں آتا، یہ اس لئے کہ جنت نفس اور دل کی خواہش کا مقام ہے اور عشق روح کی جائے قیام ہے۔

حقیقت میں ہزاروں لوگ خرمرہ اور کوڑی کے خواہاں ہیں، مگر ایک آدمی بھی دُر و گوہر کا طلب گار نہیں۔ کیونکہ عشق تو جان کے وصال کا واسطہ اور ذریعہ ہے اور ہر کس و ناکس کو اس کی ہمت کیونکر ہو سکتی ہے۔

تشریح:

پس پتا چلا کہ اللہ جل شانہ چونکہ اپنی مخلوق کو دینے کے لئے اپنی شان سے بہت نیچے کلام فرماتا ہے تاکہ مخلوق کو سمجھ آ جائے، اگر اللہ پاک اپنی شان کے مطابق کلام فرمائے تو کسی کو سمجھ ہی نہ آئے۔ لوگ اسی کلام کو حتمی اور آخر بات سمجھ لیتے ہیں حالانکہ کسی اور جگہ بڑی تفصیلات ہوتی ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ: 165)

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں"۔

﴿اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ہے، "اَشَدُّ حُبًّا لِّلْجَنَّةِ" تو نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ" کہو کیونکہ یہ حکم ہے۔ اس لئے دعویٰ نہ کرو لیکن دل میں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ رکھو اور مانگو وہی جس کا حکم ہے، حکم سمجھ کر مانگو مقصود سمجھ کر نہیں۔

متن: مثنوی:

عشق جمال جاناں دریائے آتشین است
گر عاشقی بسوزی زیرا کہ روئی این است

تور درہ چنانی زیر آنکہ مردن را
اول قدم دریں رہ بر چرخ ہفتمین است

کار قوی ست عالی اندر رہ حقیقت
در ہر ہزار سالے یک مرد راہ بین است

تشریح:

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

متن:

"معشوق کے حُسن و جمال کی محبت آگ کا دریا ہے، اگر تم عاشق ہو تو تم ضرور جل اُٹھو گے، کیونکہ اُصول یہی ہے تم ایسے راہ رو ہو اور اس طرح کے راہرو و مسافروں کا پہلا قدم ساتویں آسمان پر ہوتا ہے۔ راہِ حقیقت قوی اور عالی ظرف لوگوں کا کام ہے، اس لئے کہیں ہزاروں سالوں میں کوئی راہ شناس آدمی پیدا ہوتا ہے"

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: "إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا وَّعَشِقَ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰی عَبْدِیْ أَنْتَ عَاشِقِیْ وَمُحِبِّیْ فَأَنَا عَاشِقٌ لَّكَ وَمُحِبٌّ لَّكَ" "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا" (شرح تمہیدات، رقم الصفحۃ: 198، طبع حیدر آباد دکن، سنہ 1364ھ) "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ساتھ محبت اور عشق کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! تم میرے عاشق اور محبت کرنے والے ہو، تو میں بھی تمہارا عاشق اور محبت کرنے والا ہوں۔ اے ہمارے خدا ہمیں یہ نصیب فرما۔"

اے میرے عزیز بھائی! عشق کی ابتدا میں شاہد و مشہود کا فرق ہوتا ہے، مگر جب انتہائے عشق ہوتی ہے، یعنی جب عشق انتہا کو پہنچ جاتا ہے، تو پھر فرق نہیں ہوتا۔

تشریح:

عاشق اپنے آپ کو گم کر دیتا ہے۔

متن:

یعنی جب عاشق و معشوق ایک ہو جاتا ہے تو شاہد مشہود ہو جاتا ہے۔

تشریح:

اللہ اکبر! حضرت کس خوبی سے سمجھاتے ہیں۔یہاں بالکل دوسرے انداز سے سمجھا دیا۔ اگر ہم اس کو یاد رکھیں "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ" (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا) تو ہمیں یہ بات بخوبی سمجھ آ جائے گی۔ جب انسان عاشق ہوتا ہے تو اللہ معشوق ہوتا ہے جب ایک طرف سے عشق بڑھتا ہے تو دوسری طرف سے بھی عشق بڑھتا ہے۔ ہوتے ہوتے جب فنائیت کے عالم پر پہنچتا ہے تو عاشق معشوق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو معشوق ابدی ہے ہی، اللہ تعالیٰ تو معشوق حقیقی ہے ہی، وہ تو اپنی طرف سے نہیں بدلے گا بلکہ یہ عاشق بدلے گا، یہ بدلتا رہا، بدلتا رہایہاں تک کہ آخر میں معشوق کے ساتھ ایک ہو گیا۔ ایک ہونا اس معنی میں ہے کہ عاشق اور معشوق میں اب فرق نہیں رہا۔ پہلے یہ فرق تھا کہ بندہ عاشق تھا اور اللہ معشوق تھے، بندہ عشق میں بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا کہ معشوق ہو گیا، جبکہ اللہ پاک پہلے بھی معشوق تھے آئندہ بھی معشوق رہیں گے۔ اس کی معشوقیت ختم نہیں ہو گی۔ ہاں اب یہ فرق ہے کہ بندہ بھی معشوق ہے اور اللہ بھی معشوق ہے۔ ایک ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ (نعوذ باللہ من ذلک) بندہ خدا بن جاتا ہے۔یہی وہ بات ہے جو لوگوں کو سمجھ نہیں آتی تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے جب اس کو ہم فنا کرتے ہیں، اور اللہ پاک اس فنائیت کی وجہ سے بندے کو قبول فرماتے ہیں تو پھر بندہ وہ نہیں رہتا جو پہلے تھا بلکہ اب تو وہ فانی بھی نہیں رہتا بلکہ باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ پہلے عاشق تھا اب معشوق ہو گیا، پہلے شاہد تھا اب مشہود ہو گیا اور پہلے فانی تھا اب باقی باللہ ہو گیا۔

من تو شُدم تو من شُدی
من تَن شُدم تو جاں شُدی

تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری (امیر خسروؒ)

ایک ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یگانگی اور اتحاد کا کمال حاصل ہو جاتا ہے۔

آج الحمد للہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے انتہائی مشکل مضمون بہت آسانی کے ساتھ حل ہو گیا۔ الحمد للہ علی ذلک! یہ اللہ پاک کا فضل ہوتا ہے کہ ایسے علوم عطا فرما دیتے ہیں ورنہ صحیح بات ہے کہ ہمارے حالات کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس کا عطا ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ نسبی لحاظ سے ہمارے بڑے ہیں اس لئے الحمد للہ، ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ علوم نصیب فرما رہے ہیں۔

متن:

پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والوں کا مذہب و ملت کیا اور کون سا ہوتا ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والے امام ابو حنیفہ و امام شافعی رحمہا اللہ کے مذہب و ملت پر نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عشق کے مذہب و ملت پر ہوتے ہیں۔

تشریح:

جیسے میں نے عرض کیا کہ جنت مانگو، کیونکہ اس کا حکم ہے۔ محبوب کی رضا جس میں ہو اس پہ دل و جان سے ہم راضی ہیں۔ لیکن جنت مانگنے سے ہمارا مقصود کیا ہے؟ آیا ہم جنت مانگ رہے ہیں یا جنت والے کو مانگ رہے ہیں، یہ ہر شخص کی اپنی اندر کی ایک بات ہے جو اللہ کو پتا ہوتی ہے۔ ذرا غور کریں کہ ہمیں حکم ہے جنت مانگنے کا، اس لئے مانگنی تو ہے۔ لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ جو اس حکم پہ عمل کر رہا ہے وہ کس جذبہ سے کر رہا ہے، بظاہر تو منہ سے نکلتا ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ" لیکن حقیقت میں یہ ہوتا ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مَالِكَ الْجَنَّةِ"۔

نہ آہ چاہتا ہوں نہ واہ چاہتا ہوں
خدا کے لئے میں خدا چاہتا ہوں

یہ عجیب مضامین ہیں۔

متن:

یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔

تشریح:

اگر کوئی اس کی تشریح نہ کرے تو پڑھنے والا نہ جانے کس طرف چلا جائے۔ حضرت کا مطلب یہ نہیں کہ غیر مقلد بن جاؤ نہ امام ابو حنیفہؒ کی مانو، نہ امام شافعیؒ کی مانو، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ فروعی باتوں میں تو ہم انہی کی پیروی کریں گے لیکن مقصود حنفیت یا شافعیت نہیں ہے۔ ہم تو اصل میں حنفیت میں بھی محمدیت مانگیں گے، شافعیت میں بھی محمدیت مانگیں گے، سب کی بات ایک ہے۔ یہ چیزیں دوسرے لوگوں کے لئے فرق کا باعث ہیں ہمارے لئے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو حنفی ہیں وہ حنفیت میں محمدیت پہ چل رہے ہیں اور جو شافعی ہیں وہ شافعیت میں محمدیت پہ چل رہے ہیں اور محمدیت بعینہٖ للہیت ہے۔ ہم آپ ﷺ کو بھی تو اللہ کا فرستادہ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کہتے ہیں: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ اگر ہم آپ ﷺ کو مانتے ہیں تو اللہ کے لئے مانتے ہیں اور اللہ جل شانہ کے بھیجے ہوئے مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے مانتے ہیں، جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي" (بخاری شریف، حدیث نمبر: 71)

ترجمہ: "بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ پاک عطا فرمانے والے ہیں۔"

لہذا ہم آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاسم مانتے ہیں۔ ان سب باتوں کو دھیان میں رکھنا چاہئے۔ ایک دفعہ میں یہ بات عرض کر رہا تھا تو ایک بہت بڑے بزرگ نے فرمایا کہ یہی صحیح توحید ہے۔

مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت کرنے والا آپ ﷺ کی ذات پر رک کیسے جاتا ہے؟ آپ ﷺ کی ذات تو ہے ہی اس لئے کہ وہ اللہ سے ملا دے۔ نبی پاک ﷺ سے محبت کرنے والا اس مقصد کو کیسے چھوڑ دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی ہر چیز کے ماننے میں ہی تو اللہ سے ملنا ہے۔ لہذا بنیاد کو تو ہم نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے ہم آپ ﷺ پہ رک نہیں رہے بلکہ آپ ﷺ کے ذریعے سے اللہ تک پہنچ رہے ہیں، جیسے ہم شیخ پہ نہیں رکتے، شیخ کے بعد فنا فی الرسول تک پہنچنا چاہتے ہیں اور فنا فی الرسول سے فنا فی اللہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ یہ سب ذرائع ہیں اور ذرائع کو ذرائع

سمجھنا چاہئے۔ یہ اللہ تک پہنچنا آپ ﷺ ہی کا مطلوب تھا، آپ ﷺ بھی یہی چاہتے تھے لہذا جو لوگ وہیں رک جائیں گے وہ آپ ﷺ کے حکم پہ نہیں چل رہے۔ آپ ﷺ جس مقصد کے لئے آئے تھے، وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر رہے۔

لہٰذا یہاں پر بھی (امام ابوحنیفہ اور امام شافعی ما) پہ نہیں رکنا۔ یہ مقصد کے لحاظ سے بات کر رہا ہوں۔ بلا شبہ یہ حضرات ذریعہ ہیں، ذریعہ تو یہی ہے لیکن مقصد کے لحاظ سے ہم نے ان پہ نہیں رکنا۔ جیسے میں نے کہا کہ میں زبان سے تو یہ کہہ رہا ہوں: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الْجَنَّةَ" لیکن میرے دل میں کیا ہے؟ کیا میں اس سے اللہ کا طالب ہوں یا جنت کا طالب ہوں۔ دونوں ایک ہی بات کر رہے ہیں، جنت کا طالب بھی "اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الْجَنَّةَ" کہہ رہا ہے اور اللہ کا طالب بھی "اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الْجَنَّةَ" کہہ رہا ہے لیکن حقیقت اللہ کو معلوم ہے کہ وہ کیا طلب کر رہے ہیں۔ اسی طرح جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پہ چل رہے ہیں یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پہ چل رہے ہیں وہ بھی وہاں نہیں رکتے بلکہ آگے محمدی ہونے کی طرف چلتے ہیں۔

متن:

بلکہ اللہ تعالیٰ کے عشق کے مذہب و ملت پر چلتے ہیں۔ اِس مذہب میں ان کو اللہ تعالیٰ کی لِقا حاصل ہوتی ہے۔ اور جب محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ کی لِقا اُن کا ایمان بن جاتا ہے۔

تشریح:

تمام ایمان آپ ﷺ پر ایمان سے نکلے ہیں۔ اللہ پاک کی صفات بھی آپ ﷺ کی بتائی ہوئی ہیں، ہم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی صفات نہیں بیان کر سکتے۔ اللہ کی معرفت بھی آپ ﷺ کے ذریعے سے ہے، ہم آپ ﷺ کے ذریعے سے ہی اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ پاک نے نبی ﷺ کے سوا کسی کو بتایا ہی نہیں کہ میں ایسا ہوں۔ لہٰذا اگر ہم اللہ کو جانتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کے ذریعے سے جانتے ہیں۔

متن:

اور جب ابلیس کو دیکھتے ہیں تو ان کا یہ کفر ہوتا ہے۔ محققین کے دین و ایمان اور کفر کا دار و مدار اس مشاہدہ پر ہوتا ہے، اور یہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ وہ ان باتوں سے آگے نکلے ہوتے ہیں، اور اُن کو آگے نکل جانا چاہئے۔

اے میرے بھائی! دین و ایمان اور کفر کا مقصود محمد حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات تم پر یہ باتیں واضح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ محمد حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات اُس شخص پر روشن کرے کہ معشوق کے خد و خال اور ابرو و زلفیں عاشق پر کیا (اثر) کرتے ہیں۔ تب تک تُو ہرگز یہ بات نہ جانے گا کہ خد و خال محمد ﷺ کے نور کے چہرے کے سوا نہیں۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِیْ"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کی تخلیق فرمائی ہے" یعنی نور احدیت کا جمال خد و خال نور احمدیت ہے، اور اگر دلیل چاہتے ہو، تو کلمہ کے جمال میں مشاہدہ کرو کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" کیونکہ اگر کوئی کافر ایک ہزار سال بھی کلمۂ جمال بغیر خد و خال کے فہم کے پڑھے تو و اللہ وہ ہر گز مسلمان نہیں بن سکتا۔

تشریح:

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں ہو گا تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

متن:

اور جس کو خد و خال کا مشاہدہ قال (بولنے) پر آمادہ کرے، تو اس کی قال میں کمال درجہ کا حسن و جمال ظاہر ہوتا ہے۔

تشریح:

یہ محمد حسینی رحمۃ اللہ علیہ (حضرت شیخ سید محمد بن نصیر الدین جعفر مکی حسینی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف اشارہ ہے۔

متن:

محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چشم و ابرو کیا ہیں، عرش کے اوپر جو سیاہ رنگ کا نور ہے، میں نے اُس کا مشاہدہ قطب عالم کے مقام سے کیا ہے پس تو جان لے کہ وہ سیاہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں اور ابرو کا نور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کہ شاہد و معشوق کو خد و خال اور زلف و ابرو اور آنکھوں سمیت مشاہدہ کرے تو لازمی بات ہے کہ وہ منصور کی طرح "أَنَا الْحَقُّ" اور بایزید کی طرح "سُبْحَانِيْ" کہہ ڈالے۔ جو اس حقیقت کو سمجھ ڈالیں تو وہ یہی کچھ کرتے ہیں۔ **ابیات:**

آنرا کہ حیاتش ز بت دلبر نیست
از خال و خط و لب چوں شکر نیست

جان و دل او در ابروئے زلفتیں نیست
در ہر دو جہاں جز مشرک و کافر نیست

از کفر و بکفر رفتن باور نیست
زیر آنکہ جز او دیگر در خور نیست

"جس کی زندگی کا دار و مدار اپنے محبوب اور اس کے خط و خال اور شکر جیسے میٹھے ہونٹوں سے نہیں، اور جس کے دل و جان اپنے محبوب کی زلف و گیسو میں نہ ہوں تو دونوں جہانوں میں اُس سے بڑھ کر کوئی دوسرا مشرک اور کافر نہیں، کفر سے بڑھ کر مزید کفر پر جس کا یقین نہیں تو وہ دیکھ لے، کہ اُس کے سوا دوسرا کوئی اس کا لائق نہیں"

جو عاشق کمال اور انتہا کو پہنچ جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی حجاب کے بغیر اور کسی

مقام میں نہیں ہوتا، رسول اللہ ﷺ نے اس جماعت کے بارے میں رمزیہ طور پر فرمایا ہے، کہ "لِيْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَّا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ، وَّلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ،" (المقاصد الحسنۃ، رقم الحدیث: 926) "اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھے ایک وقت میسر ہوتا ہے کہ جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ اور نہ کسی رسول پیغمبر کی گنجائش ہوتی ہے" یہ وہ مقام ہے کہ نبی مرسل اور ملک مقرب کو بھی اس کی خبر نہیں۔

تشریح:

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

یعنی عاشق و معشوق کے درمیان ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس میں کراماً کاتبین کو بھی پتا نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے۔

متن:

لیکن یہ بات اولیاء اللہ نہیں کہا کرتے، کیونکہ وہ اولیاء ہوتے ہیں (نبی نہیں ہوتے) وہ جو فرمایا گیا ہے کہ "إِنِّي أَعْرِفُ رِجَالًا مِّنْ أُمَّتِي فِي لَيْلَةِ الْمِعْرَاجِ مَنْزِلَتُهُمْ بِمَنْزِلَتِي عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى" "میں اپنی اُمت کے اُن آدمیوں کو پہچانتا ہوں، جن کی منزل اور مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک معراج کی رات میں میری منزل اور مقام کے برابر تھا" اے برادر عزیز! عشق تمثیلی لباس رکھتا ہے اور اگر تمثیل نہ ہوتی تو سالک اور راہِ طریقت کے راہ رو کافر ہو جاتے۔ کیونکہ اگر ہر چیز کو مختلف اوقات میں ایک شکل پر ہی دیکھتا رہے تو اس سے انسان نفسیاتی طور پر سیر ہو جاتا ہے جو کہ باعثِ ملال ہوتا ہے۔ اور جب ہر لحظہ اور ہر آن جمال و حسن میں زیادتی اور اضافہ دیکھتا ہے تو عشق بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے، دید کا اشتیاق اور ملاقات کا شوق مزید بڑھتا جاتا ہے۔ پس "يُحِبُّهُمْ" (اُن کے ساتھ محبت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ساتھ محبت کرتا ہے) ہر وقت ایک تمثیل کا حامل ہوتا ہے، جو "يُحِبُّوْنَهٗ" کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی طرح

"يُحِبُّوْنَهٗ" 1 بھی، پس اس حالت میں محبوب کو انتہائی کمال کے ساتھ کمال عشق و محبت اور پورے شوق کے ساتھ دیکھنا ہوتا ہے۔ ابیات:

ہر روز بعشق تو بجمال و گرم

و ز حسن تو در بند جمال و گرم

تو آیت حسن را جمال دیگرے

من آیت حسن را کمال دگرم

"تمہارے عشق میں ہر روز جداگانہ قسم کے جمال سے آشنا ہوتا ہوں، اور تمہارے حسن کی نیرنگیوں سے نرالے حسن و جمال کا اسیر ہوتا ہوں، تم حسن و جمال کی ایک جداگانہ نشانی ہو اور میں حسن کے کمال کی ایک علیحدہ علامت ہوں"

(حاشیہ: 1 اُس کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ سورۂ المائدہ آیت 54 پوری آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: "اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا، تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر دے گا، جن کو وہ دوست رکھے، اور جسے وہ دوست رکھیں، اور جو مؤمنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا کی راہ میں جہاد کریں، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں، یہ خدا کا فضل ہے، جسے چاہے دیتا ہے، اور خدا بڑی کشائش والا (اور) جاننے والا ہے")

پس اے بھائی معشوق کا رزق اور حصّہ لطف کس چیز میں ہے، اور عاشق کس چیز سے اپنا نصیب حاصل کرتا ہے، اور خود عشق کس چیز سے زندہ ہے، لیکن عشق کے بارے میں کیا بیان کیا جائے، اور کیا ظاہر کیا جائے؟ اس کے بارے میں رمز اور مثال کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے

تشریح:

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان چیزوں پہ بڑا کلام فرمایا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے جو لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک تو اللہ پاک نے خود اپنی شان

کے بارے میں فرمایا:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (الرحمٰن: 29)

ترجمہ: "وہ ہر روز کسی شان میں ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک مختلف شان میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اعتبار (مثال و تمثیل) کے ذریعے اس چیز کو سمجھا جاتا ہے۔ اِلٰھیات میں اعتبارات کے ذریعے بات ہوتی ہے۔ اسی لئے یہاں پر رمز و مثال کی بات فرمائی گئی ہے۔ گویا کہ تشبیہ سے تنزیہ کے راستے نکلتے ہیں۔ پہلے ایک چیز کو سمجھا جاتا ہے پھر اسے منفرد کیا جاتا ہے جسے ہم "تفرید" کہتے ہیں، پھر اسے مزید منفرد کرتے ہیں، پھر مزید منفرد کرتے ہیں، اس کے بعد مزید منفرد کرتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ تفرید و تجرید کے تمام مقامات سے گزرتے گزرتے انسان معرفت الٰہی کو حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ چیز (تفرید و تجرید) نہ ہوتی تو سارا معاملہ یہیں اٹک جاتا اور آدمی کچھ بھی سمجھنے کے قابل نہ ہوتا۔

جب بھی کسی نے ایسی چیزوں پہ کلام کیا ہے جیسے حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فصوص الحکم میں کلام کیا ہے، جن لوگوں نے اس کو نہیں سمجھا انہوں نے اسے زندیقی کہا اور جو سمجھ گیا اس نے معرفت کو حاصل کیا۔ لیکن اکثریت زندیقی سمجھنے والوں کی ہوگئی، زیادہ تر لوگ سمجھ نہیں پائے۔ اس وجہ سے ان اصطلاحات کو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل کر دیا گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اصطلاحات کو تبدیل کر دیا۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں ہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دونوں کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے۔ لیکن ان حضرات کے زمانہ میں مواصلات کے ذرائع آج کل جیسے نہیں تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ایک جگہ پر کوئی بات ہو رہی ہو اور بہت دور دراز کے لوگ بھی اسے سن یا دیکھ سکیں۔ جیسے میں بیان کر رہا ہوں، اِس کو انگلینڈ والے بھی سن رہے ہیں، امریکہ والے بھی سن رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں ایسے حالات نہیں تھے، خط بھی آسانی سے نہیں پہنچتا تھا۔ اس کے باوجود ہم دیکھ رہے ہیں اور محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارے اکابرین کا رنگ ایک ہی تھا اب بھی وہی رنگ چلا آ رہا ہے اور کیا ہی

محفوظ طریقے سے چلا آ رہا ہے۔

بہر حال حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان اصطلاحات میں تبدیلی کی، لیکن انہی کے زمانے کے بعض حضرات وہی پرانی اصطلاحات استعمال کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات و پیغامات شاید ان تک نہیں پہنچے ہوں گے اس لئے وہ حضرات پرانی اصطلاحات ہی استعمال کرتے ہیں۔ وحدت الشہود اور وحدت الوجود والی اصطلاحات ان کے کلام میں نظر نہیں آتیں۔ البتہ اصلاح یہاں بھی نظر آتی ہے۔ جیسے کئی مشکل چیزیں آسان ہو رہی ہیں، سمجھ میں آ رہی ہیں۔ ہم پر اللہ کا بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں دونوں دریاؤں کے ساتھ ملایا ہے۔ ایک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دریائے عرفان، اور دوسرا حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ہمارے سہروردی حضرات کے دریائے عرفان کے ساتھ بھی ہمیں ملایا گیا ہے۔ گویا ہمیں دونوں جگہوں سے فیض مل رہا ہے اور کمال تو یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں چیزیں شروع ہوئی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ والا کام تو ابھی ابھی شروع ہوا ہے اسے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات چل رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہم نے یہ دونوں سلسلے ڈرتے ڈرتے شروع کئے ہیں۔ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں بلکہ ہم نے تو ڈرتے ڈرتے شروع کئے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ ان دونوں سلسلوں کی تعلیمات کو ایک وقت میں پڑھنے سے کیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ ان دونوں کو ایک وقت میں پڑھنے سے ہمیں جدید اور قدیم کا رنگ آپس میں ملتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ قدیم ہے اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجدد ہیں، ان کے پاس ان کے اپنے دور کے لحاظ سے جدید ہے۔ یہ جدید اور قدیم ایک وقت میں مل رہے ہیں یہ اللہ پاک کا بڑا کرم ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت کی بات ذرا مختلف ہو گی کیونکہ ان کے اور اِن حضرات کے زمانے میں کافی فرق ہے۔ لیکن حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے لیکن ایک ہندوستان کے ایک حصہ میں

اور دوسرے ہندوستان کے دوسرے حصہ میں تھے۔ حضرت آدم بنوری ؒ جو حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے خلیفۂ اجل ہیں۔ یہ خصوصی طور پہ حضرت کاکا صاحب ؒ سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے اور حضرت ان کو اپنے ساتھ لے گئے نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت کاکا صاحب ؒ علماء کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حضرت آدم بنوری ؒ بھی بڑے عالم تھے، انہوں نے اِن سے فرمایا کہ آپ نماز پڑھائیں، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی باقی ساری باتیں میں مان سکتا ہوں، آپ حکم فرمائیں لیکن جس مقصد کے لئے میں آیا ہوں وہ تو مجھ سے نہ چھینیں۔ میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے ہی آیا ہوں۔ میرے آنے کا مقصد تبدیل نہ کریں، نماز آپ ہی پڑھائیں۔ پھر حضرت کاکا صاحب ؒ نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد وہ تاریخی جملہ ارشاد ہوا جس پہ ہم ناقل ہونے کے لحاظ سے شکر ادا کر سکتے ہیں۔ وہ جملہ یہ ہے کہ حضرت آدم بنوری ؒ نے فرمایا: ایک وہ نماز جو میں نے مجدد صاحب کے پیچھے پڑھی ہے اور ایک وہ نماز جو میں نے کاکا صاحب کے پیچھے پڑھی ہے، ان دونوں نمازوں کی طرح کہیں اور نماز نہیں پڑھی، ان دو نمازوں کی طرح کوئی اور نماز نہیں ہے۔ دیکھیں حضرت آدم بنوری ؒ بھی دونوں دریاؤں سے فیض یاب ہوئے۔ ان کی ملاقات حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے ساتھ بھی ہوئی اور حضرت کاکا صاحب ؒ کے ساتھ بھی۔ ظاہر ہے جب حضرت کاکا صاحب ؒ سے ملے ہوں گے، تبادلۂ خیال ہوا ہو گا تو حضرت مجدد صاحب ؒ کی فکر بھی زیرِ گفتگو آئی ہو گی۔ لیکن آپ یہ دیکھئے کہ حضرت آدم بنوری ؒ نے دونوں حضرات کی روحانیت کا ادراک کس خوبی سے کیا کہ فرمایا: ایک نماز میں نے مجدد صاحب ؒ کے پیچھے پڑھی اور ایک کاکا صاحب ؒ کے پیچھے پڑھی ہے، ان دو نمازوں جیسی نماز کہیں نہیں پڑھی۔

کمال کی بات یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کا رنگ ایک جیسا تھا۔ دونوں محبوبین میں تھے، مجتبائین میں تھے۔ مجتبائین چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں کسب کا دخل کم ہوتا ہے اور اِجتباء کا کردار زیادہ ہوتا ہے۔ یہ حضرات نبی نہیں ہوتے لیکن نبوت کے رنگ کے قریب ہوتے ہیں۔ اسے سلوکِ نبوت کہتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب ؒ بھی ایسے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مقصد کے لئے چنا ہوا تھا، انہیں بہت بڑے

بڑے اکابر کی روحانیت ملی تھی اور وہ بڑے بڑے اکابر کی روحانیت کا مظہر تھے۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی یہی بات تھی، وہ تو مادر زاد ولی تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے یہ نعمت نصیب فرمائی تھی۔ خلافت اور سلسلے تو بعد میں چلے ہیں، قبولیت پہلے سے ہی تھی۔ یہ دریائے عرفان جو دونوں سلسلوں میں ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں پہنچا ہے، اس پر ہم بہت شکر ادا کرتے ہیں۔ اے اللہ تیرا بہت شکر ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قسط دوم

توضیح المعارف

روح کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ اسماعیلؒ کی تحقیق

روح کی حقیقت:

یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ روح جسم کے اندر زندگی پیدا کرنے والی چیز ہے اور اس کی جدائی سے جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ جس وقت آدمی مر جاتا ہے تو آدمی میں موجود حِس و حرکت زائل ہو جاتی ہے اور وہ پتھر کی طرح بے جان بن جاتا ہے۔ وہ چیز جس کی جدائی سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی روح ہے۔

اب اِس روح کی حقیقت پر غور کرنا چاہئے۔

روح کے بارے میں کچھ خصوصی باتیں:

تجلی اعظم سے شخصِ اکبر سب سے پہلے عالمِ ارواح کو حاصل کرتا ہے۔

روح مادیت کی آلائشوں یعنی رنگ، شکل، محدود و مقید ہونے یا حسّی اشارے کی قبولیت سے بالکل پاک ہوتی ہے۔

مادیت سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ روح کا ایک خارجی حقیقت ہونا، محض ذہنی چیز نہ ہونا بھی سمجھنا ضروری ہے۔

البتہ ارواح کی پیدائش کا منفرد اور خاص ہونا بھی ایک حقیقت ہے کیوں کہ اس کی تخلیق براہِ راست امر کے مقدس قانون کے تحت ہوتی ہے۔

روح کے اجزاء:

روح تین اجزاء سے مرکب ہے: نسمہ یا بدنِ ہوائی، نفسِ ناطقہ اور روحِ ملکوت۔

نسمہ:

جسم اور روح کا برزخ۔

بدنِ ہوائی:

یہ پاکیزہ ہوا ہے اور ایسی لطیف ہوا ہے کہ جس کو انسان محسوس نہیں کر سکتا، لیکن اس کے اثر کو دیکھا جا سکتا ہے اور اثر وہی ہے کہ آدمی اس سے زندہ ہوتا ہے۔ یہ کئی دفعہ تحلیل ہونے کے بعد عناصر کے لطیف بخارات سے پیدا ہوتی ہے اور غذا، نشو و نما اور ادراک کی قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔ اس کی لطافت اس حد تک ہے کہ پتا بھی نہیں چل سکتا کہ یہ کیسے اندر جاتی ہے اور کیسے باہر آتی ہے حتیٰ کہ وزن میں بھی نہیں آتی۔

نفسِ نباتی:

نباتی نفس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ہم کسی چیز کی گٹھلی زمین میں بوتے ہیں پھر پانی، ہوا اور زمین کے لطیف اجزاء اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں تو وہ گٹھلی اپنی خدا داد قوت سے اجزائے لطیفہ کو اپنی طرف کھینچ کر انہیں ایک دوسری صورت یعنی کونپل میں بدل دیتی ہے۔ پھر اسے ایک باقاعدہ نظام اور مقررہ قاعدے کے مطابق اپنے جسم کی نشو و نما میں صرف کرتی ہے۔ اس باقاعدہ نظام کی تدبیر کا سارا پروگرام اس کے DNA میں محفوظ ہوتا ہے۔ مذکورہ مثال میں گٹھلی کے اندر سے جو کونپل باہر نکلتی ہے، وہ بعد میں اس سے بننے والے پودے کی پوری نمائندہ ہوتی ہے۔

نفسِ حیوانی:

حیوانات اور انسانوں میں جب مرکباتِ ارضیہ کی عفونت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، مثلاً مادہ منویہ اور خونِ حیض رحم میں جمع ہو جاتے ہیں اور والدہ کا نفس اس کو کی گئی وحی کے مطابق اس میں تدبیر کرتا ہے تو اس سے دل، جگر اور دماغ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس مرحلے پر اس میں روحِ ہوائی پھونک دی جاتی ہے۔ اس سے ہر دو صورتیں آپس میں بدل جاتی ہیں اور اس سے ایک تیسری صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک انقلاب ہے۔ یہ ساری تدبیر اس کے DNA میں محفوظ ہوتی ہے۔ جو جو کام جس

جس طرح کسی زندہ جسم نے کرنا ہوتا ہے، اس میں اس کا پورا نظام موجود ہوتا ہے۔ یہ جسم کے کھربوں خلیوں میں سے ہر خلیے میں ہوتا ہے۔ انسان یا جانور کے ہر خلیے میں پورے انسان یا جانور کی نمائندگی ہوتی ہے۔

نفسِ ناطقہ:

نفسِ نباتی اور حیوانی نفس کے مقابلے میں انسانی نفس زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ یہ نفس کلیہ کا قریب ترین مثالی جزو ہے۔ اسی سے سارے لطائف پھوٹتے ہیں۔ اس کے DNA میں وہ خصوصی صفات بھی ہوتی ہیں جو کہ نباتی اور حیوانی نفس میں نہیں ہوتیں۔ انسان کا حیوانِ ناطق ہونے کے لحاظ سے اس میں حیوان کے لئے نفسِ حیوانی کی صفات کے رکھنے کے ساتھ ساتھ اس میں ناطق ہونے کے اعتبار سے شعور کی وہ صفات رکھ دی جاتی ہیں کہ جن سے انسان ساری مخلوقات میں ممتاز ہے لیکن اب تک صرف مادے کی تیاری ہے۔ اس کو صورتِ مثالی عالمِ مثال سے روحِ ملکوت کی صورت میں عطا ہو گی۔

روحِ ملکوت:

یہ تیسرا جزو ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی تخلیق کا ارادہ فرمایا جیسا کہ ارشادِ باری ہے: ﴿وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً﴾ (البقرۃ:30)

ترجمہ: "اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

اللہ پاک نے صرف آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا بلکہ آدم علیہ السلام بمع اولاد کے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، سب کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تھا اور جو ایک تھا، وہ سب کا سبب تھا۔ جیسا کہ اگر ایک آئینے میں آفتاب کی صورت ظاہر ہو اور اس کے ارد گرد مختلف رنگوں اور سائزوں کے کئی آئینے رکھ دیئے جائیں تو ہر ایک آئینے میں وہ صورت جلوہ گر ہو گی۔ اب ایک حیثیت سے تو وہ ساری صورتیں اپنا مستقل وجود رکھتی ہیں لیکن دوسری حیثیت سے یہ ساری صورتیں اُسی ایک اجمالی صورت کی مرہونِ منت ہیں، لہذا ان صورتوں میں سے ہر صورت ایک انسان کی روح

ہے گویا کہ یہ جو ایک انسان ہے، وہ سارے انسانوں کا پورا ایک نمائندہ نظام ہے جو اپنے اپنے معینہ وقت پر اس صورت کو اُس وقت کے نفسِ کلیہ کے کسی معین جزو یعنی نفس ناطقہ کے ساتھ ملاتا ہے۔ جب اس معین جزو میں روحِ ہوائی پھونک دی جاتی ہے جس سے وہ جزو اپنی مطلوبہ شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور روحانی صورت (روحِ ملکوت) اس کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے تو پھر وہ **حظیرۃ القدس** میں حاضر ہوتا ہے کیوں کہ اب تینوں ایک ہو گئے۔ اس سے مکمل انسان بن گیا۔ اب جب مکمل انسان بن گیا تو مکلف بھی ہو گیا۔ اب بلوغ کے بعد یہ اعمال کرتا ہے تو اعمال اچھے ہوں یا برے، نقطوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اچھا عمل سفید نقطہ اور برا عمل سیاہ نقطہ۔ اور یہ چیزیں اس میں محفوظ ہو رہی ہوتی ہیں اور قیامت میں انسانی جسم کے ساتھ متحد ہو جائیں گی یعنی جس وقت انسان مرے گا اور آخرت میں جائے گا تو یہ چیزیں اُس کے ساتھ مل جائیں گی۔ اب جب مل جائیں گی تو ہاتھ کو ہاتھوں کے گناہ، آنکھوں کو آنکھوں کے گناہ اور زبان کو زبان کے گناہ؛ یہ سارے کے سارے اپنے اپنے طور پر آ جائیں گے اور اپنی اپنی بولی بولیں گے۔ انسانی جسم کی ہر چیز جو کام کر چکی ہے، وہ وہی بتائے گی۔

اس روح کا جب (نفس ناطقہ کے ذریعے) جسم سے ملاپ ہوتا ہے تو اس روح کی مثال گویا کہ صورت کی ہوتی ہے اور نفس ناطقہ کی مثال مادے کی۔ یہ جسم کے ساتھ گھل مل کر ایک متحد وجود (انسان) جنم دیتی ہے۔ جس کے کچھ احکامات (properties) روح سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ جسم سے۔ جیسے ہائیڈروجن، آکسیجن مل کر ایک نئی چیز، پانی بناتے ہیں لیکن اسی پانی سے لیبارٹری میں دونوں کو دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ پانی کی صورت میں گھل مل کر بھی ان کی اپنی اپنی حقیقت برقرار رہتی ہے۔

اس کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ملک میں مختلف عہدے تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ جن کو اسامی (vacancies) کہتے ہیں۔ جب کسی کو ان میں سے کسی اسامی کے لئے چنا جاتا ہے تو وہ شخص اور وہ اسامی یک جان دو قالب ہوتے ہیں پھر جب وہ ریٹائر ہو جاتا ہے تو وہ آدمی اور وہ اسامی پھر اپنی اپنی علیحدہ حقیقت

پر واپس چلے جاتے ہیں۔ الطاف القدس میں اس روح کا نام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے روحِ ملکوتی رکھا ہے۔

نفسِ ناطقہ اور جسم کا تعلق:

نفس ناطقہ ایک جوہر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بذاتِ خود نفسِ ناطقہ مادہ سے پاک اور مجرد ہے لیکن جسم کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہے کہ جسم کے ساتھ مل کر اس کے اپنے ذاتی خواص برقرار رہتے ہیں۔ اگر رنگین کپڑوں کے رنگ کا آئینے میں نظر آنے والی صورتوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو رنگ کا کپڑوں میں حلول، حلول کی مشہور قسم سریانی سے تعلق رکھتا ہے یعنی جس میں حلول کیا ہے وہ اس میں سرایت کئے ہوئے ہے جب کہ آئینے میں جو صورتیں نظر آتی ہیں ان کا حلول طریانی قسم کا حلول ہے جو آئینے پر طاری تو ہیں، لیکن آئینے میں کسی قسم کی تبدیلی کے روادار نہیں۔ نفسِ ناطقہ کا تعلق بدن سے کچھ اس قسم کا ہے کہ وہ بدن پر اس حد تک طاری ہے کہ بدن کے سارے عوامل اس کی بدولت ہیں لیکن اس کی وجہ سے جسم میں کوئی مستقل تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگر اس کا تعلق جسم کے ساتھ نہ رہے تو جسم میں کوئی تبدیلی مشاہد نہیں ہو گی۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جیسے بجلی سے جو بجلی کی مشینیں چلتی ہیں، ان پر بجلی کا طاری ہونا ظاہر ہے۔ اگر بجلی چلی جائے تو ساری مشینیں رک جائیں گی لیکن اُن میں کسی قسم کی تبدیلی نظر نہیں آئے گی۔ یہ چوں کہ حلول کی ایک غیر معروف قسم ہے، اس لئے اس کا دوسرا نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً اس کو اعتماد کہا جائے۔ پس نفسِ ناطقہ میں بدن سے مجرد ہونے کی شان بھی پائی جاتی ہے اور متعلق ہونے کی بھی۔

روحِ منعقد:

نفس ناطقہ جو جسمِ انسانی کے ساتھ ایک عجیب تعلق رکھتا ہے، جب روح ملکوتی جو مادے سے بالکل پاک ہے، سے ملتا ہے تو اس کو بعض لوگ صرف روح اور شاہ صاحب رحمہ اللہ روحِ منعقد کہتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی کے شب و روز

الحمدللہ خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

آج کی بات

روزانہ صبح بعد از نمازِ فجر تین مختصر بیانات ہوتے ہیں

درسِ قرآن

ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم

مطالعہ سیرت بصورت سوال

جمعۃ المبارک:

کسی ایک مسجد میں جمعہ کا بیان:

ختم قرآن، مجلس درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا(عصر اور مغرب کے درمیان)

ہفتہ:

حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلوکِ سلیمانی" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تربیت السالک" کا درس(بعد نمازِ مغرب)

بعد از عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و تربیتی جوڑ ہوتا ہے جس کے معمولات یہ ہیں: نمازِ عصر کے بعد انفرادی ذکر، نمازِ مغرب اور اوابین کے بعد جوڑ بیان اور مجلس ذکر میں شرکت، نمازِ عشاء کے بعد منزل جدید کی تلاوت، سورہ ملک کی تلاوت، ختمِ خواجگان، مجلس درود شریف، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" سے تعلیم، کھانے پینے

اور سونے کے آداب و سنن کی تعلیم، کھانا، آرام، نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات، ختمِ قرآن اور نمازِ اشراق

اتوار:

خواتین کے لیے اصلاحی بیان) دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ (۔ نوٹ: ہر ماہ میں کسی ایک اتوار کو خانقاہ میں صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا خواتین کیلئے اصلاحی و تربیتی خصوصی جوڑ ہوتا ہے۔

فرض عین علم کی تعلیم (بعد نمازِ مغرب)

انگریزی میں بیان (رات 8 بجے)

پیر:

پشتو میں بیان (بعد نمازِ عصر)

اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات (بعد نمازِ مغرب)

منگل:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا کتاب مثنوی شریف کا درس (بعد نمازِ مغرب)

بدھ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ سے درس (بعد نمازِ مغرب)

جمعرات:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے درس (بعد نمازِ مغرب)

درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اسکے بعد نعت شریف، چہل درود شریف کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا)

برائے رابطہ و معمولات

حضرت اقدس سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم سے فون پر بات کرنے کیلئے دن 2 بجے سے 3 بجے تک کے اوقات مختص ہیں۔فون کال کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں: مختص اوقات کے علاوہ اور جمعہ کے دن فون نہ کریں۔ فون کرنے کیلئے پی ٹی سی ایل نمبر 051-5470582 ہے۔ فون اگر مصروف ہو تو انتظار کریں، اسکے لئے موبائیل پر کال نہ کریں۔ وٹس ایپ پر کال بالکل نہ کریں۔

میسج کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں: اپنے ذکر و مراقبہ اور احوال کی اطلاع کیلئے یا تصوف سے متعلق سوالات وٹس ایپ نمبر 0315-5195788 پر بھیجیں۔ میسج کرتے وقت اپنا اور شہر کا نام بھی لکھیں ۔ اپنے اذکار و مراقبہ کی مکمل تفصیل اور کیفیت لکھیں ۔ رومن اردو میں ٹیکسٹ بالکل نہ بھیجیں، کوشش کریں کہ صرف اردو کی بورڈ استعمال کریں وہ نہ ہو تو انگریزی میں لکھ لیں۔ سوال جواب والے وٹس ایپ نمبر پر آڈیو میسج اور ذاتی مسائل نہ بھیجیں۔ معمولات شیٹ اگر ای میل کی جائیں تو انکا سکین صاف پڑھا جانا چاہیے۔ میسج بامقصد اور اپنی اصلاح کی نیت سے ہو۔ سوالات کے جواب پیر کے دن مغرب کے بعد کی مجلس میں دیئے جاتے ہیں۔تب تک اپنے معمولات بغیر تبدیلی کے جاری رکھیں۔

بچوں کے لئے خصوصی تربیتی پروگرام

آج کے اس دورِ پر فتن میں جہاں مسلمانوں کو بہت سے مصائب کا سامنا ہے وہاں ایک بہت بڑا چیلنج اپنے بچوں کی اچھی ظاہری اور باطنی تربیت بھی ہے۔ آج ہمارے بچے انٹرنیٹ، موبائل اور سوشل میڈیا کی گندی ثقافتی یلغار کی زد میں ہیں اور اعمال کے ساتھ ساتھ اب ایمان بچانا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ موجودہ دور کے چیلنجز اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کی بہترین ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کی جانب سے ہفتہ وار آن لائن تربیتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا ہے۔ ہر اتوار کو اس کے لیے زوم کا استعمال کرتے ہوئے لائیو کلاس منعقد کی جاتی ہے جو کہ بعد میں تربیتی پروگرام کے یوٹیوب چینل پر بھی اپلوڈ کر دی جاتی ہے۔ اس تربیتی پروگرام کو تین

سیشنز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا سیشن 1 سے 9 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں دلچسپ کہانیوں کے ذریعے بچوں میں بہترین دینی اور دنیاوی اقدار و اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ ارکانِ اسلام کے بنیادی مسائل سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ دوسرا سیشن 10 سے 14 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں بچوں میں اچھی عادات اور ذکر و تسبیحات کی تلقین کے ساتھ ساتھ قصص الانبیاء میں سے کچھ واقعات اور ان سے حاصل ہونے والے مفید اسباق بتائے جاتے ہیں۔ تیسرا سیشن 15 سال اور اس سے بڑے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس کے اندر بچوں میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو قربِ الٰہی حاصل کرنے کے طریقے اور مواقع بھی سکھائے اور بتائے جاتے ہیں اور آج کے دور کے تازہ فتنوں کے بارے میں آگاہی اور ان سے بچنے کی تربیت بھی کرائی جاتی ہے۔ اگر آپ اپنے بچوں کی بہترین دینی اور دنیاوی تربیت کے خواہاں ہیں اور اس تربیتی پروگرام میں اپنے بچوں کو شامل کرانا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل وٹس ایپ گروپ میں شامل ہو جائیں۔ اس گروپ میں کلاس کا لنک اور تفصیلات بتا دی جائیں گی۔ گروپ میں شامل ہونے کے لئے اس نمبر پر بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ گوہر انوار صاحب 03335383171

ضروری اطلاعات

الحمدللہ، پاکستان کے تمام شہروں کیلئے رمضان المبارک کے سحری و افطاری کے اوقات کے مستند نقشے تیار ہو چکے ہیں۔ جو ویب سائیٹ tazkia.org سے ڈاؤنلوڈ کئے جا سکتے ہیں۔

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کرکے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کرکے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے 0315 5195788

www.tazkia.org